انسان کی روح اور اخلاق پر
عبادات کے تربیتی اثرات

ڈاکٹر صلاح الدین سلطان
(مشیر شرعی برائے اسلامی امور مملکت بحرین)

ایفا پبلی کیشنز – نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب: انسان کی روح اور اخلاق پر عبادات کے تربیتی اثرات
مؤلف : ڈاکٹر صلاح الدین سلطان
مترجم : مولانا نور الحق رحمانی
کمپوزنگ: محمد سیف اللہ
سن طباعت: فروری ۲۰۱۲ء
صفحات : ۹۲
قیمت : ۷۰/روپے

ناشر

ایفا پبلیکیشنز
۱۶۱ - ایف بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸
جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵
ای میل: ifapublication@gmail.com
فون: 011 - 26981327

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

عناوین	صفحات
مقدمہ	۷
پہلی بحث:	۱۳
مطلب اول	۱۵
مسلمان آدمی کے روحانی پہلو پر طہارت کا تربیتی اثر	۱۵
مطلب دوم	۲۱
مسلمان آدمی کے روحانی پہلو پر نماز کا تربیتی اثر	۲۱
مطلب سوم	۲۸
مسلمان آدمی کے روحانی پہلو پر زکاۃ کا تربیتی اثر	۲۸
مطلب چہارم	۳۶
مسلمان آدمی کے روحانی پہلو پر روزہ کا تربیتی اثر	۳۶
مطلب پنجم	۴۳
مسلمان آدمی کے روحانی پہلو پر حج کا تربیتی اثر	۴۳
دوسری بحث:	۵۳
مطلب اول	۵۵
مردمومن کے اخلاقی پہلو پر طہارت کا تربیتی اثر	۵۵

مطلب دوم	۶۰
مسلمان آدمی کے اخلاقی پہلو پر نماز کا تربیتی اثر	۶۰
مطلب سوم	۶۹
مسلمان آدمی کے اخلاقی پہلو پر زکاۃ کا تربیتی اثر	۶۹
مطلب چہارم	۷۴
مسلمان آدمی کے اخلاقی پہلو پر روزہ کا تربیتی اثر	۷۴

مقدمہ

الحمد لله الذي خلق الإنسان في أحسن تقويم، وأنزل له شرعة ترفعه إلى عليين، وتقيه من مهاوي الفتن، ومهالك الفاسقين، والصلاة والسلام على سيدنا محمد أول العابدين وسيد الأولين والآخرين وعلى آله وصحبه الطيبين الطاهرين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين. أما بعد!

عصر حاضر کی تہذیب نے انسان اور اس کے گرد وپیش کے عروج وارتقاء کی لمبی مسافت طے کرلی ہے اور اس کی آسائش اور آسودگی کے لئے بہت سے مادی وسائل مہیا کردئے ہیں، لیکن نئی ایجادات وانکشافات کے سبب انسان پریشانی میں مبتلا ہوگیا ہے، اور مشرق کا مغلوب اور شکست خوردہ انسان مغرب کے غالب انسان کی تقلید اور نقالی کا دل دادہ اور عاشق ہوگیا ہے، اور باشندگان مشرق ومغرب دونوں کی انسانیت وشرافت ضعف واضمحلال کا شکار ہوچکی ہے، اس لئے کہ جسم کے آسودگی کا انتظام کیا گیا اور روح کے تقاضوں سے صرف نظر کیا گیا، انسان اپنے گرد وپیش کی چیزوں کا تو مالک بن گیا، لیکن اس کے ہاتھ سے خود اپنے نفس کا لگام چھوٹ گیا، جس کی بنا پر اس کی خواہشات نے اس پر غلبہ پالیا، اس کا ارادہ کمزور اور دل سخت ہوگیا، اس کے اخلاق بدل گئے اور (حقیقت میں) وہ اپنے آپ کو ہلاکت وبربادی کی راہوں پر گامزن کرکے خود اپنا دشمن بن گیا اور مستقبل بہت سے خطرات کی غمازی کررہا ہے۔

اور چونکہ دنیا کے تمام فلسفوں اور آسمانی مذاہب میں اصلاح وتبدیلی کا بنیادی نقطہ اور اصل نشانہ انسان ہے، اور ان تمام فلسفوں اور تحریف شدہ ادیان ومذاہب کو خلل لاحق ہوگیا ہے اس لئے اب اس

روئے زمین پر (حق کی معرفت اور حقائق کے انکشاف کا) صحیح معیار اور واحد ذریعہ صرف اسلام ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿إن الدين عند الله الإسلام وما اختلف الذين أوتوا الكتاب إلا من بعد ما جاء هم العلم بغياً بينهم ومن يكفر بآيات الله فإن الله سريع الحساب﴾

(آل عمران:۱۹)

(بے شک اللہ تعالی کے نزدیک دین اسلام ہی ہے اور اہل کتاب نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بنا پر ہی اختلاف کیا ہے اور اللہ تعالی کی آیتوں کے ساتھ جو بھی کفر کرے اللہ تعالی اس کا جلد حساب لینے والا ہے)

اللہ تعالی ہی تمام احکام کو مشروع فرمانے والا ہے، اسی نے قرآن کریم نازل فرمایا اور اپنے نبی ﷺ کو سیدھا راستہ دکھلایا، اس بنا پر اسلام کا امتیاز یہ ہے کہ وہ خود اس ذات کی طرف سے آیا ہے جس نے اپنے بارے میں فرمایا:

﴿ألا يعلم من خلق وهو اللطيف الخبير﴾ (الملك:۱۴)

(کیا وہی نہ جانے جس نے پیدا کیا؟ پھر وہ باریک بیں اور باخبر بھی ہو)

اور خالق کی طرف سے اس کے صادر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی کو نفس انسانی کی تمام خصوصیات اور انسان کی تمام ضرورتوں اور ان رغبتوں کا علم ہے جن کی تسکین وتکمیل پر اسے دنیا وآخرت میں کامیاب تصور کیا جاتا ہے، اس بنا پر ایمان کے ثابت شدہ امور اور احکام کے حقائق اس قلبی اعتقاد اور ذہنی یقین کو وجود میں لاتے ہیں کہ اسلام میں ایسی وحدت ویکسانیت ہے جس کی بنیاد مضبوط ومستحکم ہے اور وہ ہر اس انسان کے لئے متوازن ہے جو حقیقی سعادت کے لئے کوشاں ہو، وہمی اور خیالی کامیابی کے لئے نہیں۔

اور اس تناظر میں ہر باغیرت انسان اپنی قوم اور امت کی موجودہ ہلاکت وبربادی کو دیکھ رہا ہے اور اس کے لئے یہ شفا بخش دوا تجویز کرتا ہے وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہے کہ اللہ کے اس

دین کے ذریعہ اکیسویں صدی کے انسانوں کی تعمیر واصلاح ہوجائے اور وہ ان کے اندرون کی متوازن تعمیر کردے، پھر وہ نئی تہذیب کے ذریعہ ایسی کائنات کی تعمیر کرے جس میں جسم کے ساتھ روح، مادیت کے ساتھ اخلاق، دل کے ساتھ عقل، سماج کے ساتھ فرد اور حکومت وسلطنت کے ساتھ دین مددگار اور معاون ہو۔

اس کتاب کی اہمیت سے متعلق چند باتیں درج ذیل ہیں:

اول: عام طور پر صورت حال یہ ہے کہ عبادات کے سلسلے میں تفصیلی بحث کی جاتی ہے یعنی اسکے فقہی احکام، فرائض وواجبات، مستحبات اور مفسدات پر تفصیل سے روشنی ڈالی جاتی ہے، لیکن ان کے اسرار وحکم، رموز وعلل، تربیتی مضامین اور عملی اثرات سے بہت کم بحث کی جاتی ہے، جس کے نتیجے میں عبادت کی روح اور اس کی فرضیت کے اہم مقاصد نگاہوں سے اوجھل ہوجاتے ہیں، فقہی مواد خشک نظر آتا ہے اور کبھی کبھی اس کا سمجھنا دشوار ہوجاتا ہے۔

دوم: بہت سے ایسے لوگ جو ان عبادات کو ان کے تمام شرائط وارکان اور فقہی احکام کی رعایت کرتے ہوئے ادا کرتے ہیں لیکن ان کے شرعی مقاصد اور تربیتی اثرات کو پیش نظر نہیں رکھتے ان کا خود ان کے نفس کے ساتھ تصادم ہوتا ہے، چنانچہ وہ نماز سے قبل طہارت کے مندوبات ومستحبات تک کا غایت درجہ اہتمام کرتے ہیں، لیکن وہ اس کے بعد اپنے دل کو بغض وحسد اور کینہ وکدورت سے پاک کرنے کا اہتمام نہیں کرتے، اکثر وہ اول وقت میں نماز کی ادائیگی کے لئے سبقت کرتے ہیں اور دوسرے ضروری کاموں کو آخری وقت تک موخر کردیتے ہیں، وہ اپنے مال کی زکوۃ نکالتے ہیں اور اپنے مزدوروں کا حق کم کرکے دیتے ہیں یا اس قرض ودین کی ادائیگی میں بلا وجہ تاخیر کرتے ہیں جو فوری واجب الاداء ہیں، وہ لوگ بار بار حج وعمرہ ادا کرتے ہیں، اور قریبی رشتہ داروں اور قریب کے پڑوسیوں کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک نہیں کرتے، یہ اتنی بڑی خامی اور بے اعتدالی ہے، جس نے بعض لوگوں کو اسلامی احکام کا التزام کرنے سے باز رکھا ہے اور ایسے لوگوں کے بارے میں ان کا اعتماد مجروح ہوگیا ہے اور مخلصین کے سامنے دعوت کی راہ کو کٹھن اور دشوار گذار بنادیا ہے کہ وہ یہ علت بیان

کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اسلام اور چیز ہے اور مسلمان اور چیز ہیں۔

سوم: اس مسئلہ کا واضح نہ ہونا ہے کہ انسان کی متوازن تعمیر کس طرح ہو کہ اس میں عبادات کی روح اور اس کے بلند مقاصد سے بھرپور مدد اور رہنمائی حاصل کی گئی ہو، اس لئے کہ تعلیم، نشر واشاعت کے ادارے اور ذرائع ابلاغ پہلے نمبر پر انسان کی عقلی تعمیر پر توجہ مرکوز کرتے ہیں، اور جسمانی ورزش اور نوجوانوں کے امور سے متعلق وزارتیں انسان کی جسمانی تعمیر وترقی کو اپنا نشانہ بناتی ہیں اور حق یہ ہے کہ اوقاف کی وزارتیں انسان کی روحانی تربیت کا فریضہ انجام دیں، لیکن ایسے مخلص افراد جو باشعور بھی ہیں اور اصلاح کے خواہش مند بھی ان کی دوربیں نگاہیں اس خلل کا ادراک کرلیتی ہیں جو صالح انسان کی تعمیر میں مطلوب عناصر کے درمیان عدم توازن کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے، اور صورت حال انتہائی تلخ ہے کہ اس نے پوری امت کو تنزل وانحطاط، غلامی وماتحتی، منفی ذہنیت اور ذہنی آوارگی کے گڑھے میں ڈال دیا ہے۔

اسی بنا پر اس بحث کا عنوان: "الآثار التربوية للعبادات" (عبادات کا تربیتی اثر) ہے، آثار کا مطلب ہر عبادت کا وہ مبارک اور لازمی اثر ہے جو اسے اس کے شرعی مقاصد کے مطابق ادا کرنے پر مرتب ہوتا ہے، اور تربیتی سے مراد عبادات کے وہ فائدے ہیں جن کا وقوع پذیر ہونا ضروری ہے یعنی تزکیہ نفس، تہذیب اخلاق، روحانی ترقی وبالیدگی، اور مرد مومن کے درج ذیل بنیادی پہلوؤں کی متوازن اصلاح:

۱- **روحانی پہلو:** یہ وہ پہلو ہے جس سے سعادت بھی جنم لیتی ہے اور شقاوت بھی، اس لئے کہ یہ اس بات کی نمائندگی کرتا ہے کہ بندے کا اپنے پروردگار کے ساتھ کیا تعلق ہے، اور اس کا مندرجہ ذیل تمام پہلوؤں پر گہرا اثر مرتب ہوتا ہے۔

۲- **اخلاقی پہلو:** اور یہ وہ پہلو ہے جس سے اچھے اعمال یا برے تصرفات، بلند اخلاقی قدریں یا پست عیوب ونقائص، معتدل رغبتیں یا ہلاکت خیز شہوتیں صادر ہوتی ہیں۔

۳- **عقلی پہلو:** اور یہ وہ پہلو ہے جو ترقی یافتہ تہذیب وتمدن کی بنیاد رکھتا ہے یا سابقہ

کارناموں کی بنیاد بھی منہدم کردیتا ہے، روئے زمین میں خیر وبرکت کا اضافہ کرتا ہے یا اس کو کمزور کرتا ہے، روئے زمین کی طاقت وتوانائی اور اس کی دولت وثروت کو بڑھاتا ہے یا اس میں بگاڑ وفساد اور تباہی وبربادی پھیلاتا ہے۔

۴-**جسمانی پہلو:** یہ وہ پہلو ہے جو اس زندہ وجود (جسم) کی نمائندگی کرتا ہے جو روح کے ساتھ ملا ہوتا ہے اور عقل پر مشتمل ہوتا ہے اور ہر قسم کی قوت وصلاحیت کی سرگرمی کا مدار بدن کی قوت یا اس کے ضعف پر ہے، بہت سے بلند عزائم اور لمبی چوڑی امیدیں کمزور بدن اور نحیف ولاغر جسم کے سامنے دم توڑ دیتی ہیں، اس لئے اولوالعزم اور بلند حوصلہ لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کا جسم بھی توانا وطاقت ور ہو جو روئے زمین کی اصلاح وآباد کاری، اس میں خیر کے بیج ڈالنے، خیر کے سرچشموں کو جاری کرنے اور اسے عدل انصاف اور امن وسکون کا گہوارہ بنانے کے لئے مسلسل کوشاں اور محو سفر رہے۔

جہاں تک لفظ عبادت کا تعلق ہے تو یہ اسلامی شریعت کی ایک معروف اصطلاح ہے جو معاملات کے مدمقابل استعمال کی جاتی ہے اور عبادات کی اصطلاح، فقہی تناظر میں طہارت، نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کے اسرارواحکام میں علمی تحقیق وتدقیق سے مشہور ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عبادت کا مفہوم ان ہی چیزوں میں منحصر نہیں ہے، جیسا کہ سیکولرزم اور جدت کے علم بردار کہا کرتے ہیں، اسی بنا پر میں عبادت کے اس جامع مفہوم پر زور دیتا ہوں جس کی خاطر اللہ رب العزت نے ہمیں زمین کی خلافت عطا کی ہے، اور وہ یہ ہے کہ عبادت (ان تمام ظاہری وباطنی اقوال واعمال کا جامع نام ہے جنہیں اللہ تعالی پسند کرتا ہے اور جن سے وہ راضی ہوتا ہے) جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ نے اس کی تعریف کی ہے، اور یہ عقیدہ واخلاق دونوں کو شامل ہے، اس کے دونوں پہلوؤں کے ساتھ کہ عقائد باطلہ اور اخلاق رزیلہ سے اجتناب ہو اور عقائد صحیحہ اور اخلاق حمیدہ کو اختیار کیا جائے، اسی طرح شریعت کی اصطلاح اپنے دونوں اقسام وارکان عبادات اور معاملات کو شامل ہے جو زندگی کے مظاہر اور اس کی روح وحقیقت دونوں کو منظم ومزین کرتے ہیں۔

اس کتاب کا اسلوب و انداز یہ ہے کہ اس میں کتاب وسنت کے نصوص پر اعتماد کیا گیا ہے اور پانچوں عبادات کے فقہی احکام ذکر کئے گئے ہیں، پھر اس بات پر توجہ مرکوز کی گئی ہے اور گہری نظر ڈالی گئی ہے کہ ان میں سے ہر عبادت کے کیسے اثرات اس شخص کے مذکورہ بالا چاروں پہلوؤں پر مرتب ہوتے ہیں جو اسے اچھی طرح ادا کرتا ہے، میرا غالب گمان یہ ہے کہ یہ کتاب متوازن تربیت کے اہم گوشوں پر مشتمل ہے پھر بھی اس میں مزید کسی دوسرے پہلو کے اضافہ کی گنجائش ہے۔

"التنویر الإسلامی" کے سلسلے سے اس کتاب کی اشاعت کو ہم آہنگ کرنے کے لئے ہم نے اسے دو حصوں میں تقسیم کردیا ہے:

اول: عبادات کا انسان کی روح اور اخلاق پر مرتب ہونے والا تربیتی اثر

دوم: عبادات کا انسان کی عقل اور جسم پر مرتب ہونے والا تربیتی اثر

اللہ رب العزت ہی سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو مفید اور نافع خلق بنائے.. بے شک وہ ذات عالی أفضل واکرم اور دعاؤں کو قبول کرنے والی ہے۔

صلاح الدین سلطان

پہلی بحث

مسلمان آدمی کے روحانی پہلو پر عبادات کا تربیتی اثر

مطلب اول:

مسلمان آدمی کے روحانی پہلو پر طہارت کا تربیتی اثر

اول: اسلام کی ایک شان دار روایت اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے حدث اور نجاست سے طہارت حاصل کرنے کو فرض قرار دیا ہے تا کہ مسلمان ظاہر کی طہارت کے ساتھ باطن کی طہارت تک پہنچ سکے، اسی بنا پر حجۃ الاسلام امام غزالی فرماتے ہیں:

> ''سب سے اہم معاملہ باطن کی طہارت ہے، اس لئے کہ یہ بات مستبعد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان: "الطهور شطر الإيمان" [1] (پاکی نصف ایمان ہے) سے مراد یہ ہو کہ آدمی اپنے ظاہر کو پانی بہا کر پاک وصاف کر لے اور باطن کو خراب اور نجاستوں اور گندگیوں سے آلودہ رکھے۔''
>
> اور آگے انہوں نے ذکر کیا ہے:
>
> ''طہارت کے چار مراتب ہیں: **اول:** ظاہری بدن کو حدث، نجاست اور گندگی سے پاک کرنا۔ **دوم:** اعضاء وجوارح کو جرائم اور گناہوں سے پاک رکھنا۔ **سوم:** قلب کو اخلاق رزیلہ اور عادات قبیحہ سے پاک کرنا۔ **چہارم:** باطن کو اللہ تعالی کے سوا ہر چیز سے پاک کرنا، اور یہ چوتھی طہارت انبیاء علیہم السلام اور صدیقین کے ساتھ مخصوص ہے۔'' (احیاء علوم الدین ۱/ ۱۲۵-۱۲۶)

دوم: اس ظاہری اور باطنی طہارت کی بنا پر یہ طہارت حاصل کرنے والے اللہ تعالی کی محبت کے مستحق ہوتے ہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث ابو مالک اشعری، کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء۔

﴿ فیہ رجال یحبون أن یتطھروا واللہ یحب المطھرین ﴾ (توبہ:۱۰۸)
(اس میں ایسے لوگ ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے)

اور اللہ تعالی کی طرف سے بندہ کے ساتھ یہ محبت ایسی ہے جس سے روح کو ایسی صفائی ستھرائی حاصل ہوتی ہے جس سے سینہ کشادہ اور نفس راضی ہوتا ہے اور دل کو سعادت حاصل ہوتی ہے۔

سوم: وضو کرنے سے نفس ان گناہوں کی گندگی سے پاک ہوجاتا ہے جن کا انسان مرتکب ہوتا ہے، اور یہ اس لئے کہ اس سلسلے میں ایک حدیث ہے جسے امام مالک، امام نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ صنابحیؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب مومن بندہ وضو کرتا ہے اور کلی کرتا ہے تو اس کے منہ سے گناہ نکل جاتے ہیں، جب ناک صاف کرتا ہے تو گناہ اس کی ناک سے نکل جاتے ہیں، جب وہ اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے گناہ دور ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کی پلکوں کے نیچے سے بھی گناہ دور ہوجاتے ہیں، جب وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو گناہ اس کے دونوں ہاتھوں سے دور ہوجاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں، اور جب سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر سے گناہ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے دونوں کانوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں، جب وہ اپنے دونوں پیر دھوتا ہے تو گناہ اس کے دونوں پیروں سے نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ دونوں پیروں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں، پھر فرمایا: پھر اس کا مسجد کی طرف جانا اور نماز پڑھنا اس کے لئے نفل عبادت ہوجاتی ہے۔''(۱)

بخاری و مسلم نے حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مسلمان آدمی جب وضو کرتا ہے اور اچھی طرح کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے تو اس کے وہ سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں جو اس نماز اور اس سے متصل دوسری نماز کے درمیان

(۱) مؤطا امام مالک، کتاب الطہارۃ باب جامع الوضوء ۱/۳۱، سنن نسائی کتاب الطہارۃ باب مسح الاذنین مع الرأس۔

اس سے سرزد ہوئے ہوں۔''(۱)

اس طرح وضو اس کا سبب بنتا ہے کہ روح کی صفائی دوبارہ لوٹ آئے جیسا کہ گندہ سفید کپڑا اگر دھویا جائے اور صاف کردیا جائے تو اس کی صفائی اور پاکیزگی لوٹ آتی ہے۔

چہارم: طہارت کے افعال کو اللہ کے ذکر کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے جس سے اطمینان قلب اورشرح صدر حاصل ہوتا ہے، اس کی وضاحت بہت سی احادیث میں آئی ہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

الف- امام مسلم نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

''اللهم إني أعوذبك من الخبث والخبائث'' (۲)

(اے اللہ میں خبیث شیطان مردوں اورعورتوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں)

اور جب آپ بیت الخلاء سے نکلتے تو فوراً اللہ کا ذکر کرتے اور یہ دعا پڑھتے:

''غفرانک'' یا ''الحمد لله الذي أذهب عني الأذى وعافاني''

((اے اللہ) تیری بخشش مانگتا ہوں) یا یہ کہتے (شکر ہے اس اللہ کا جس نے تکلیف دہ چیز کو مجھ سے دور کردیا اور مجھے عافیت دی)

ب- امام احمد اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''اس شخص کی نماز نہیں جو باوضو نہ ہو اور اس شخص کا وضو نہیں جو اس کے شروع میں اللہ کا نام نہ لے۔''(۳)

ج- امام مسلم نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے جو شخص بھی وضو کرے اور کامل وضو کرے پھر کہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا، مسلم کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء والصلاۃ عقبہ۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب مایقول اذا اراد أن یدخل الخلاء۔

(۳) سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، باب ماجاء فی التسمیہ فی الوضوء، حدیث نمبر: ۳۹۰۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔" تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں کہ وہ ان میں سے جس سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔ (۱)

ان اذکار پر یہ ڈھیر سا ثواب ٹھنڈی غنیمت شمار کی جائے گی، اس لئے عقل مند انسان کے لئے مناسب ہے کہ اس کے بارے میں اس کا شوق بڑھ جائے، یہ فضیلت اس غافل انسان کو حاصل نہیں ہوسکتی جسے شیطان اپنے رب کی یاد سے غافل کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں اس کا دل سخت اور روح تنگ ہو جاتی ہے، اس کا سینہ مشاغل، تفکرات اور رنج وغم سے بھر جاتا ہے، اور وہ خوش بختی کی بجائے تنگی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس سے نکل نہیں پاتا، خواہ دنیا کے اسباب اسے کتنے ہی میسر ہو جائیں جب تک کہ وہ اللہ کی طرف رجوع نہ کرے اور اپنے قلب ووجدان، اعضاء وجوارح اور زبان سے اللہ کا ذکر نہ کرے۔

پنجم: طہارت ایمان کی ان علامتوں میں سے ہے جن سے قیامت کے دن مومنین پہچانے جائیں گے، اگر یہ علامت نہ ہوتی تو قیامت کے دن مسلمان اور کافر ظاہری ہیئت میں برابر ہوتے، لیکن غسل، وضو، طہارت اور صفائی ستھرائی چہرے میں نور اور ہاتھوں اور پیروں میں چمک پیدا کرتی ہے جس سے نیک لوگ پہچانے جائیں گے اور روسیاہوں سے ممتاز ہوں گے، اسی سلسلے میں بخاری ومسلم کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"قیامت کے دن وضو کے اثر سے تمہارے چہرے اور ہاتھ پیر روشن اور تاباں ہوں گے، پس تم میں سے جو کوئی اپنی وہ روشنی اور نورانیت بڑھا سکے اور مکمل کر سکے تو وہ ضرور ایسا کرے۔"(۲)

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الطہارہ، باب الذکر المستحب عقب الوضوء، اور ترمذی نے اس میں اس دعا کا بھی اضافہ کیا ہے: "اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین" اے اللہ مجھے بہت توبہ کرنے والوں اور بہت پاک صاف رہنے والوں میں شامل فرمائیے۔

(۲) حوالۂ سابق باب استحباب إطالة الغرة والتحجيل۔

روشنی کو بڑھانے کا تعلق چہرے سے ہے اور چمک کا ہاتھوں اور پیروں سے، یہ دونوں ان علامات میں سے ہیں جن سے قیامت کے دن روشنی ظاہر ہوگی، اس کے ذریعہ نیک بندوں کو نبی ﷺ کی شفاعت قیامت کے دن نصیب ہوگی۔

ششم: یہ بات کہ حسی اور ظاہری طہارت کا تعلق روح کی طہارت سے ہے اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ طہارت صرف زندوں تک محدود نہیں رہتی بلکہ مردوں کو غسل دلانا واجب ہے۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

''یہ (غسل میت) سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک واجب ہے۔''(۱)

علامہ ابن حزم لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کے ہر میت کو غسل دینا فرض اور ضروری ہے، اگر کسی مردے کو غسل کے بغیر دفن کر دیا جائے تو نکالنا ضروری ہے۔''(۲)

اور یہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالی کے سامنے پیش ہو رہا ہے اور یہ ایسا یقین ہے جس سے کوئی مسلمان عاری نہیں ہوتا، اس لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالی کے سامنے پیشی اچھی ہیئت اور پاکیزہ طہارت کے ساتھ ہو، لیکن یہاں ایک بلند مرتبہ وہ ہے جس میں طہارت پانی سے نہیں ہوتی، بلکہ عمل سے ہوتی ہے، غسل سے نہیں ہوتی بلکہ قربانی سے ہوتی ہے، اور یہ اس شہید کا مرتبہ ہے جس نے اپنی جان کو شہادت کی تمنا میں اور اللہ کی رحمت و جنت اور اس کی خوشنودی کے شوق میں خالص اللہ تعالی کے لئے پیش کر دیا، تو اس شہید کے جسم سے اگر چہ خون بہہ رہا ہو جو اپنی اصل کے اعتبار سے تو ناپاک ہے، لیکن یہ نجاست اس معنوی اور روحانی طہارت کے سامنے ختم ہو جاتی ہے جس میں وہ اپنے رب کے سامنے پیش ہوتا ہے، اسی بنا پر اسے غسل دینے کی ضرورت نہیں، بلکہ اسی حالت میں کفن دیا جاتا ہے جس

(۱) بدائع الصنائع للکاسانی ۱/۲۹۹، اور دیکھئے کتاب النیل محمد بن یوسف اطفیش ۲/۲۱۷)، الفقہ للسید محمد الحسینی الشیرازی ۱۲/۲۹۹ اور اس پر انہوں نے اجماع مستفیض نقل کیا ہے خواہ وہ اثنا عشریہ حضرات ہوں یا ان کے علاوہ دوسرے حضرات۔

(۲) المحلی لابن حزم ۲/۲۲۔

میں وہ قتل کیا گیا تھا[1]، تاکہ وہ اپنے رب سے خون آلود ہونے کی حالت میں ملے کہ رنگ تو خون کا ہو اور اس کی خوشبو مشک جیسی ہو، اور اللہ تعالی فخر کے ساتھ اپنے بندوں سے کہے کہ یہی وہ شہید ہے جس نے اپنی جان اور اپنا مال اللہ تعالی کے لئے پیش کیا۔

ہفتم: طہارت کے بہت سے احکام وہ ہیں جو بغیر کسی تردد کے اللہ کے حکم کو تسلیم کر لینے کے جذبہ سے انجام پاتے ہیں، اگر چہ وہ حکمت نگاہوں سے اوجھل ہو جس کا ادراک عقل کرتی ہے، لیکن دل تسلیم کرتا ہے کہ یہ حق اور خیر ہے مثلاً جس شخص کو پانی نہ ملے وہ تیمّم کرتا ہے جو حقیقی طہارت ہے، اگر چہ ظاہری طور پر یہ ہوتا ہے کہ مٹی پر ہاتھ مار کر بعض اعضاء وضو کا مسح کیا جاتا ہے بعض کا نہیں، اور تیمّم غسل سے بھی بے نیاز کر دیتا ہے۔ اسی بنا پر جب سیدنا عمار بن یاسرؓ نے جنابت سے تیمّم کرنے کے مسئلہ کو اپنی عقل کے سامنے پیش کیا تو وہ مٹی میں لوٹ پوٹ کرنے لگے، لیکن یہ معاملہ سرتا سر تعبدی ہے جس میں عقل کو دخل نہیں ہے، یعنی مطلقاً اللہ کے حکم کو تسلیم کر لینا ہے اور اس کی تعبیر وثوق، اطمینان، یقین اور دل کو شیطانی وساوس سے محفوظ رکھنے سے کی جاتی ہے یعنی یہ کہ بندہ وہی عمل کرے گا جسے اس کی عقل سمجھے اور جس سے اس کا دل مطمئن ہو، اسی قبیل سے خفین (چمڑے کے موزوں) کے اوپر مسح کرنا ہے، نیچے کے حصے پر نہیں، اور کسی پانی کا پاک ہونا اور کسی کا ناپاک ہونا ہے اور خروج ریح، پیشاب، پاخانہ اور مذی و ودی کے نکلنے سے وضو کرنے کا حکم اور شہوت کے ساتھ منی کے نکلنے سے غسل کی فرضیت ہے، حالاں کہ منی کی نجاست پاخانہ سے کم درجے کی ہے، لیکن اس میں مرجع اور معیار اللہ تعالی کا علم ہے، اور مسلمان عقلی یقین سے تسلیم قلبی تک پہنچتا ہے، چنانچہ وہ اللہ تعالی کی عظیم حکومت، اس کی صنعت وکارگیری کی دقت وباریکی اور اس کی بے مثال تخلیق پر نظر کرنے اور قرآنی آیات اور اس کے اعجاز پر غور کرنے سے اس حقیقت کا ادراک کر لیتا ہے کہ ہر وہ شرعی حکم جو کسی صحیح نص سے ثابت ہے اس کا اعتقاد رکھنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

---

(۱) الکافی لابن قدامہ ۱/ ۷۴۴-۵۳۴، شرح کتاب النیل، اطفیش ۲/ ۲۱۹۔

مطلب دوم:

مسلمان آدمی کے روحانی پہلو پر نماز کا تربیتی اثر

معاصی کی کدورت اور گناہوں کے شائبہ سے روح کو صاف ستھرا کرنے میں نماز کا بڑا ہی اہم اور قوی اثر ہے، نماز اللہ تعالی سے مناجات کا راستہ کھولتی ہے اور اس کی ذات پاک سے بندے کا اچھا تعلق پیدا کرتی ہے، اس کی وضاحت درج ذیل پہلوؤں سے ہوتی ہے:

اول: نماز انسان کی روحانی ورزش ہے، لہذا اگر وہ جسم کو غذا فراہم کرکے آسودہ کرے اور روح کی آسودگی کی فکر نہ کرے تو نہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہوسکتی ہے نہ اسے شرح صدر حاصل ہوسکتا ہے، نئی مادی تہذیب نے جسم کے لئے سارے انتظامات کئے، اس کی لذت وراحت اور زیب وزینت کے لئے تمام اسباب مہیا کئے، لیکن اس نے اپنے پیچھے ایسی قوم کو چھوڑا جو تنگ دل اور بیمار ہے، ان کے اندرون میں انتشار اور روحانی ہیجان ہے، اور چونکہ انہوں نے جسم کو آسودہ کیا اور روح کو نظر انداز کیا، اس لئے جسم وروح کے درمیان اس خلل کے واقع ہونے کی وجہ سے ان کا دل ان پر تنگ ہوگیا اور وہ اعصابی امراض اور نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہوگئے، جس کی بنا پر بہت سے لوگ انفرادی اور اجتماعی طور پر خودکشی کرتے ہیں اور بہت سے لوگ بغیر کسی شعور وآگہی اور ہدف ومقصد کے احساس کے زندگی گذار رہے ہیں، لیکن نماز کی برکت سے انسان کو اطمینان قلب اور روح کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور نفس صراط مستقیم پر گامزن ہوتا ہے، نماز نفسیاتی الجھنوں اور بیماریوں کا علاج کرتی ہے، اور اللہ کے فضل وکرم سے وہ شفایاب ہوجاتا ہے، اسی سلسلے میں امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں عبد اللہ بن محمد بن الحنفیہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اپنے ایک سسرالی رشتہ کے انصاری صحابی

کے پاس حاضر ہوا، نماز کا وقت آیا تو انہوں نے اپنی باندی سے کہا کہ پانی لاؤ تا کہ میں وضو کر کے نماز پڑھوں اور راحت حاصل کروں، جب انہوں نے دیکھا کہ ہم لوگ اس بات کو اچنبھا سمجھ رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

''اے بلال کھڑے ہو اور ہمیں نماز کے ذریعہ راحت پہنچاؤ۔''(۱)

اور انہوں نے دوسری روایت حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

''كان رسول الله ﷺ إذا حز به أمر صلى''(۲)

(رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی سخت اور اہم معاملہ پیش آتا تو آپ ﷺ نماز پڑھتے تھے)

اس بنا پر نماز ہر مسلمان کے لئے ایک گھنا باغیچہ ہے جس میں مسلمان اپنی راحت اور دلچسپی کا سامان پاتا ہے، اور اس کا دل اللہ رب العزت کی محبت کی ٹھنڈک سے بھر جاتا ہے، جس کی وجہ سے اسے اللہ کے عدل وانصاف کا یقین ہو جاتا ہے، اور وہ اس کے فضل وکرم اور اس کی رحمت کا امیدوار ہو جاتا ہے، اس کے عفو ودرگذر اور احسان سے مایوس نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿الذين آمنوا وتطمئن قلوبهم بذكر الله ألا بذكر الله تطمئن القلوب﴾ (الرعد:۲۸)

(جولوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے)

دوم: جب مسلمان اپنی نمازوں کی حفاظت کرتا ہے تو اس کا قلب اپنے رب کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے اور نماز میں اسے حقیقی لذت حاصل ہونے لگتی ہے جس کی برکت سے وہ فرائض کو قائم کرتا ہے اور نوافل کی پابندی کرتا ہے، پھر اسے ہمیشہ ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے اور عبادت میں خشوع وخضوع اور مداومت حاصل ہوتی ہے، یہاں تک کہ اس کی برکت سے اس کے اندر قیام لیل وتہجد کا شوق پیدا ہوتا ہے جو ایک نفلی عبادت ہے، پھر اسے یہ روحانی قوت حاصل ہوتی ہے کہ اس کے

(۱) المسند ۵/۳۷۱۔

(۲) المسند ۵/۳۸۸۔

پہلوخواب گاہوں سے الگ رہنے لگتے ہیں، اور رات میں وہ تہجد سے غفلت کو ناپسند کرتا ہے جو قلب کی حیات اور روح کی پاکیزگی کی سب سے بلند صورت ہے، اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ تتجافى جنوبهم عن المضاجع يدعون ربهم خوفاً وطمعاً ومما رزقناهم ينفقون فلا تعلم نفس ما أخفي لهم من قرة أعين جزاء بما كانوا يعملون ﴾
(السجدہ: ۱۷)

(ان کے پہلو اپنی خواب گاہوں سے اس طور پر علاحدہ رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کو خوف سے اور امید سے پکارتے رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خیرات کرتے ہیں سو ایسے لوگوں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا جو سامان خزانہ غیب میں موجود ہے اس کی کسی شخص کو خبر نہیں یہ ان کے اعمال کا صلہ ملے گا جو وہ کیا کرتے تھے)

اسی نماز سے نفس کی پاکیزگی، دنیا کی سعادت اور آخرت کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔

سوم: نماز نفس انسانی کو انتشار و پراگندگی سے، اور دل کو زمین کے رجحانات اور آسانی اخلاق واقدار کے درمیان تقسیم ہونے سے محفوظ رکھتی ہے، نماز میں وہ اپنی نیت کو خالص کرتا ہے اور تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے نقطۂ نظر کی تعیین اپنے اس قول کے ذریعہ کرتا ہے:

﴿ وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض حنيفا وما أنا من المشركين ﴾

(میں نے اپنے چہرے کو ہر طرف سے یکسو ہو کر اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں)

پھر جب وہ رکوع کرتا ہے تو نبی اکرم ﷺ کی یہ دعا پڑھتا ہے: اے اللہ میں نے تیرے لئے رکوع کیا اور تجھ پر ایمان لایا اور تیرا فرماں بردار بنا، تیرے سامنے میرے کان، میری آنکھ، میرا دماغ میری ہڈی اور میرے خون سب جھک گئے، اور جس عبادت پر میرا قدم جما وہ سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے، اور جب وہ سجدہ کرتا ہے تو یہ دعا پڑھتا ہے: میرا چہرہ اس ذات عالی کے سامنے سجدہ ریز ہے جس نے اسے پیدا کیا اور اس میں صورت بنائی اور اس میں کان اور آنکھ بنائے، پس اللہ کی ذات

بڑی بابرکت ہے جو سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے۔

یہ ایسے اونچے کلمات ہیں کہ اگر قلب ان کی موافقت کرے اور عقل ان کے ساتھ مشغول ہو تو نفس کو خواہشات سے اور ان فتنوں سے دور رکھنے میں بڑا ہی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں جو قلوب پر طاری ہوتے ہیں اور ان کے اثر سے انسان اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جس کو شیطانوں نے صحرا و بیابان میں بے راہ کر دیا ہو اور حیران و سرگشتہ چھوڑ دیا ہو، اس کے اغراض نہایت پست اور خواہشات سفلی ہوتے ہیں کہ اگر وہ ان میں سے بعض تک رسائی حاصل کر لے تو گویا اسے سراب ہاتھ آ گیا اور اگر اس کا کوئی حصہ فوت ہو جائے تو وہ قلق و اضطراب اور حیرانی و تنگی میں مبتلا رہتا ہے، یہی نفسیاتی پراگندگی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿واعلموا ان الله يحول بين المرأ وقلبه وأنه إليه تحشرون﴾

(الانفال: ۲۴)

(اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان آڑ بن جایا کرتا ہے اور بلا شبہ تم سب کو اس کے پاس جمع ہونا ہے)

یہ آیت اس تلخ صورت حال کی عکاسی کرتی ہے جس میں لاکھوں انسان مبتلا ہیں اور نماز کے بغیر انہیں تسکین قلب اور جمعیت خاطر نصیب نہیں ہو سکتی ہے۔

چہارم: نماز کی لذت کو چکھ لینے، اس کے مفہوم و معانی کا ادراک کر لینے اور اس کے ثمرات و برکات کا تجربہ کر لینے کے بعد نماز زندگی کا ایک دستور اور منہج بن جاتی ہے کہ جب بھی کوئی مشقت لاحق ہوتی ہے یا کوئی اہم معاملہ پیش آتا ہے تو انسان نماز کا سہارا لیتا ہے اور کسی معاملہ میں اگر تردد اور حیرانی لاحق ہوتی ہے تو وہ نماز استخارہ کے ذریعہ اسے دور کرتا ہے اور پھر پورے وثوق اور یقین کے ساتھ اس جانب رخ کرتا ہے اور اس پہلو کو اختیار کرتا ہے جس کی طرف اللہ اس کی رہنمائی کرتا ہے اور جب اسے کوئی سخت پریشانی لاحق ہوتی ہے تو وہ صلاۃ الحاجۃ پڑھتا ہے، اسی سلسلے میں امام ترمذی نے حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن أبی اوفی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو

اللہ تعالیٰ سے یا انسانوں میں سے کسی سے کوئی ضرورت ہوتو اسے چاہئے کہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرے اور نبی ﷺ پر درود بھیجے، پھر یہ دعا پڑھے:

''لا إله إلا الله العليم الحليم الكريم، سبحان الله رب العرش العظيم، الحمد لله رب العالمين، أسألك موجبات رحمتك وعزائم مغفرتك، والغنيمة من كل بر، والسلامة من كل إثم، لا تدع لي ذنباً إلا غفرته، ولا هما إلا فرجته ولا حاجة هي لك رضا إلا قضيتها يا أرحم الراحمين''(۱)

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بڑا علم والا، بڑا ہی بردبار اور بہت ہی کرم فرمانے والا ہے پاک وبرتر ہے اللہ عرش عظیم کا مالک، تمام شکر وتعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے عالم کا پروردگار ہے اے اللہ میں تجھ سے ان چیزوں کی بھیک مانگتا ہوں جو تیری رحمت کو واجب کرنے والی اور تیری مغفرت کو لازم کرنے والی ہیں، ہر بھلائی میں حصہ اور ہر گناہ سے سلامتی چاہتا ہوں، تو میرا کوئی گناہ بخشے بغیر اور کوئی دکھ اور غم دور کئے بغیر نہ چھوڑ، اور میری کوئی حاجت جو تیرے نزدیک پسندیدہ ہو پوری کئے بغیر نہ رہنے دے، اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے!)

یہ دعائے قنوت نفس کی پریشانی اور رنج وغم کو دور کردے گی اور اس کا سینہ کھول دے گی، اگر فساق وفجار لوگوں کی عادت یہ ہے کہ وہ جب پریشانی اور تنگی میں مبتلا ہوتے ہیں تو بیری سگریٹ یا ان مشروبات کا سہارا لیتے ہیں جن کو وہ روحانی مشروب سے تعبیر کرتے ہیں یا ان نشہ آور چیزوں کو استعمال کرتے ہیں جن میں ان کی جسمانی وروحانی لحاظ سے ہلاکت ہے اور جن کے استعمال کرنے سے وہ عملی اور اخلاقی لحاظ سے انحطاط کا شکار ہوتے ہیں تو جسے انہوں نے دوا تصور کیا وہ بیماری ثابت ہوتی ہے، اس سے فکر وتردد اور رنج ومحن میں اضافہ ہوجاتا ہے، لیکن نماز قلب کی زندگی اور روح کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے، یہاں تک کہ اگر مسلمان کسی جرم اور گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ خشوع وخضوع والی نماز کا

(۱) سنن الترمذی، باب ما جاء فی صلاۃ الحاجۃ من أبواب الوتر حدیث نمبر ۴۷۷۔

سہارا لیتا ہے جو اس کے دل سے گناہ کے سیاہ دھبے کو زائل کر دیتی ہے، یہ نماز ہماری اسلامی فقہ میں صلاۃ التوبہ کے نام سے مشہور ہے، اسی سلسلے میں امام ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرد کسی عورت کے ساتھ ملوث ہو گیا (مجھے معلوم نہیں کہ معاملہ کس حد تک پہنچا تھا مگر یہ کہ ابھی زنا تک نہیں پہنچا تھا) چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿و أقم الصلاة طرفي النهار وزلفا من الليل إن الحسنات يذهبن السيئات ذلك ذكرى للذاكرين﴾ (هود: ۱۱۴)

(اور دن کے دونوں سروں میں نماز قائم کر اور رات کی کئی ساعتوں میں بھی، یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ نصیحت ہے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے)

تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا یہ میرے لئے ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اس کے لئے ہے جو اسے اخذ کرے۔[(۱)]

ابن ماجہ نے ایک دوسری روایت سیدنا علی بن ابی طالبؓ سے نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو مسلمان بھی کوئی گناہ کرتا ہے پھر اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھتا ہے اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں)[(۲)]۔

پس نماز قلب کی طہارت کا ذریعہ ہے، یہ فطرت کو اس کی صفائی اور نفس کو اس کی پاکیزگی کی طرف لوٹانے کی ضامن ہے، اگر اسے معصیت کی کدورت یا رنج وغم کا بوجھ یا فکر وتردد کی حیرانی وپریشانی لاحق ہوتی ہے تو اس کجی اور فساد کی اصلاح نماز کے ذریعہ ہو جاتی ہے، اور شاید کہ اس کی سب سے اچھی تشبیہ اور سچی تصویر وہ ہے جو بخاری ومسلم کی ایک حدیث میں پیش کی گئی ہے کہ نماز اس دریا کے

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب إقامۃ الصلاۃ، باب ما جاء في أن الصلاۃ کفارۃ حدیث نمبر: ۱۳۹۸)

(۲) حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۱۳۹۵۔

مانند ہے جس میں مسلمان روزانہ پانچ دفعہ غسل کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کے جسم پر کوئی میل باقی نہیں رہتا۔

نماز کی یہی وہ مخفی قوت ہے جس نے ڈاکٹر الکسس کیرل کو اس اعتراف پر مجبور کیا:

''شاید کہ انسان کے اندر نشاط وانبساط پیدا کرنے والی جن طاقتوں کا آج تک انکشاف ہوا ہے ان میں سے سب سے بڑی طاقت نماز ہے، اور میں نے ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے دیکھا ہے اور تجربہ کیا ہے کہ بہت سے وہ بیمار جن کا علاج دواؤں اور جڑی بوٹیوں سے نہ ہوسکا اور جب فن طب نے اپنی عاجزی اور درماندگی کا اعتراف کرلیا تو نماز نے آگے بڑھ کر انہیں بیماریوں سے شفایاب کیا، بے شک نماز ریڈیم کے کان کی طرح روشنی کا پاور ہاؤس اور فطری طور پر فرحت ونشاط پیدا کرنے والی ہے، نماز کے ذریعہ لوگ اپنی محدود چستی کو بڑھاتے ہیں، اس لئے کہ وہ ایسی ذات سے مناجات کرتے ہیں اور قوت کے اس سرچشمے سے مخاطب ہوتے ہیں جس کی توانائی اور چستی کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے، ہم لوگ جس وقت نماز پڑھتے ہیں اس وقت اپنے آپ کو اس عظیم طاقت سے مربوط کرتے ہیں جو پوری کائنات پر حاوی ومستولی ہے اس ذات سے ہم عاجزی کے ساتھ یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس قوت کا کوئی حصہ عطا کرے جس سے ہم اپنی زندگی کی مشکلات ومسائل میں مدد حاصل کریں، بلکہ تنہا عاجزی وگریہ زاری اس بات کی ضامن ہے کہ وہ ہماری طاقت وقوت اور چستی ومستعدی میں اضافہ کرے، ہمیں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جس نے ایک مرتبہ بھی اللہ تعالی سے گریہ وزاری کی ہو اور اس کی گریہ وزاری نے بہتر سے بہتر نتائج پیدا نہ کئے ہوں''(۱)۔

---

(۱) العبادۃ فی الاسلام، مولفہ جناب ڈاکٹر یوسف القرضاوی/۲۳۲، الاعجاز العلمی فی الاسلام مولفہ محمد کامل عبد الصمد/۲۵۔

مطلب سوم:

مسلمان آدمی کے روحانی پہلو پر زکاۃ کا تربیتی اثر

مسلمان آدمی کے روحانی پہلوؤں پر زکاۃ کے حفاظتی اور علاجی اثرات ہیں جن کی وضاحت درج ذیل ہے:

اول: اللہ تعالی نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا اور سب سے بلند مقام میں اسے پناہ دی اور اسے سب سے بلند درجہ کی تکریم وتعظیم سے نوازا لیکن انسان کبھی اسفل السافلین کی طرف لوٹ جاتا ہے، اپنے مقام ومرتبہ اور اپنے کردار کو فراموش کرجاتا ہے اور اپنی امانت کو ضائع کردیتا ہے، انحطاط کا سب سے پہلا سبب مال کی محبت میں غلو کرنا ہے، مال کی وہ فطری محبت جو حد اعتدال پر قائم ہو وہ انسان پر اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے تاکہ زمین آباد رہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وإنه لحب الخير لشديد﴾ (العاديات:٨)

(اور بے شک انسا مال کی محبت میں بڑا سخت اور مضبوط ہے)

لیکن اس کی محبت میں غلو انسان کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ کمائے اور محروم افراد پر خرچ نہ کرے، اس کی بنا پر وہ ربانی بندہ بننے کے بجائے دنیا کا اسیر اور خواہش نفسانی کا غلام بن جاتا ہے، اسی سلسلے میں بخاری اور ابن ماجہ کی یہ حدیث ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے نبی کریم ﷺ نے بددعا فرمائی ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''دینار کا بندہ ہلاک ہو، درہم کا بندہ ہلاک ہو، اور سیاہ منقش چادر کا بندہ ہلاک ہو، اگر اسے دیا جائے تو خوش ہوتا ہے اور نہ دیا جائے تو ناراض ہوتا ہے، وہ ہلاک ہو اور اوندھے منہ ہو

اور جب اس کے جسم میں کانٹا چبھے تو نہ نکال سکے۔"(۱)

یہ ہلاکت روحانی بدبختی اور قلب کی تاریکی ہے، جب کہ مال کی محبت اللہ تعالی کی محبت کی جگہ لے لیتی ہے اور جو چیز اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے وہ بذات خود مقصود بن جاتی ہے، پس مال کو دنیا میں زندگی گذارنے کا ذریعہ بنایا گیا ہے، تا کہ زمین کی آبادکاری ہو اور دنیا کے ہر گوشے میں اللہ تعالی کو راضی کیا جائے، لیکن جب یہ ذرائع ووسائل مال جمع کرنے کا سبب بن جاتے ہیں اور انسان اسے بذات خود مقصود بنالیتا ہے تو پھر وہ اللہ تعالی کی اس وعید کا مستحق بن جاتا ہے:

﴿ویل لکل همزة لمزة، الذی جمع ماله وعدده یحسب أن ماله أخلده کلا لینبذن فی الحطمة وما أدراک ما الحطمة﴾ (همزه: ۱-۵)

(ہر ایسے شخص کے لئے بڑی خرابی ہے جو عیب نکالنے والا اور طعنہ دینے والا ہو، جو مال جمع کرتا ہو اور اس کو بار بار گنا کرتا ہو، وہ یوں خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا، ایسا ہرگز نہیں ہوگا، البتہ اس کو ایک ایسی آگ میں پھینکا جائے گا جو ہر چیز کو توڑ کر رکھ دے گی، اور اے پیغمبر آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ توڑنے والی آگ کیسی ہے)

یہاں زکاۃ آ کر نفس کو مال کی محبت میں غلو کرنے سے اور حلال یا حرام ذریعہ سے اسے حاصل کرنے کی طلب سے نجات دلاتی ہے، اسی بنا پر زکاۃ کا سب سے بڑا مقصد وہ قرار پایا جسے اللہ تعالی نے اپنے اس قول میں ذکر کیا ہے:

﴿خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزکیهم بها وصل علیهم إن صلاتک سکن لهم﴾ (التوبہ: ۱۰۳)

(آپ ﷺ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک صاف کردیں اور ان کے لئے دعا کیجئے، بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان ہے)

اس طرح زکاۃ انسان کو مال کی غلامی کی گندگی سے نکال کر اللہ کے ان صالح، پاک صاف اور متقی بندوں کے زمرے میں شامل کردیتی ہے جو دنیا کو اس طرح حاصل کرتے ہیں کہ ان کی مملوکہ

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب فی المکثرین، نمبر: ۴۱۳۶۔

چیزیں ان کے دلوں کی گہرائی تک نفوذ نہیں کرتیں، اس لئے وہ اسے سخاوت اور دریادلی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں جس کی بناء پر ان پر اس شکر گذار اور ثواب کے امیدوار مسلمان کی وہ مثالی صورت صادق آتی ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''نعم المال الصالح للعبد الصالح'' (۱)

(صالح بندے کے لئے صالح مال بہت اچھی چیز ہے)

دوم: علامہ کاسانی حنفی انسان کے نفس پر زکاۃ کے اثر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ گناہوں کی نجاست و کدورت سے نفس کو پاک کرتی ہے اور اخلاق کا تزکیہ کر کے اسے جود و کرم اور مال کے بارے میں بخل کو چھوڑنے کی صفت سے متصف کرتی ہے تو وہ سخاوت وفیاضی کا اور امانتوں کو ادا کرنے اور انہیں ان کے مستحق افراد تک پہنچانے کا عادی ہو جاتا ہے، اسی طرح یہ مالداروں کی طرف سے مال کی نعمت ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ (۲)

سوم: بخل کے مرض سے حفاظت کے سلسلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ومن یوق شح نفسہ فأولئک ھم المفلحون﴾ (التغابن: ۱۶)

(اور جو کوئی اپنے نفسیاتی بخل وحرص سے بچالیا گیا تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)

تو ایسی صورت میں کامیابی بخل کے مرض سے چھٹکارا حاصل کرنے پر منحصر ہے، اور سونا، چاندی، زمین کی پیداوار، سائمہ جانوروں اور اموال تجارت وغیرہ کی زکاۃ ادا کرنے اور ہر وہ رزق جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہو اس میں سے خرچ کرنے کی وجہ سے ایک مضبوط قلعہ کی حفاظت حاصل ہو جاتی ہے اور نفس انسانی میں بخل کا وہ مرض سرایت نہیں کر پاتا جس کی بنا پر آدمی لوگوں کی محبت اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے سے محروم رہ جاتا ہے، بلکہ اخروی سعادت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

پس بخل اور حرص اللہ تعالیٰ کے غضب، جہنم کی نارضگی اور جنت سے دور کئے جانے کا سبب

(۱) مسند الإمام احمد ۴/ ۱۹۷۔
(۲) بدائع الصنائع للکاسانی ۲/ ۳۔

بنتا ہے، اور وہ مال جسے دنیا وآخرت کی سعادت کے حصول کا ذریعہ ہونا چاہئے تھا وہ دنیا کی بدبختی کا سبب بن جاتا ہے کہ وہ اس کے حاصل کرنے کا حد درجہ حریص بن جاتا ہے، اور اس کی حفاظت میں بے حد مبالغہ کرتا ہے، اور بار بار اسے گنتا ہے، اور آخرت کی بدبختی کا سبب اس طرح ہے کہ وہ مال آگ کی تختیوں یا گنجا سانپ کی صورت میں تبدیل ہوجائے گا، جیسا کہ بخاری کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص کو اللہ تعالی نے مال عطا فرمایا پھر اس نے اس کی زکاۃ نہیں ادا کی تو وہ مال قیامت کے دن اس آدمی کے سامنے ایسے زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گا جس کے انتہائی زہریلے پن کی وجہ سے اس کے سر کے بال جھر گئے ہوں گے اور اس کی آنکھوں کے اوپر سفید نقطے ہوں گے، پھر وہ سانپ اس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا (یعنی اس کے گلے میں لپٹ جائے گا) پھر وہ اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا (اور کاٹے گا) اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ ولا يحسبن الذين يبخلون بما آتاهم الله من فضله هو خيرا لهم بل هو شر لهم سيطوقون ما بخلوا به يوم القيامة ولله ميراث السموات والأرض والله بما تعملون خبير ﴾ (آل عمران: ١٨٠)[١]

(اور جنہیں اللہ تعالی نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں اپنی کنجوسی کو اپنے لئے بہتر خیال نہ کریں، بلکہ وہ ان کے لئے نہایت بدتر ہے عنقریب قیامت والے دن یہ اپنی کنجوسی کی چیز کے طوق ڈالے جائیں گے، آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ تعالی ہی کے لئے ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالی آگاہ ہے)

ان میں ایک حدیث وہ ہے جسے بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو اونٹوں والا، گایوں والا اور بکریوں والا ان کی زکاۃ ادا نہیں کرتا تو جب قیامت کا دن

(١) صحیح البخاری، باب التفسیر، باب ولا تحسبن الذین یبخلون.. حدیث نمبر: ٤٥٦٥، اسی طرح حدیث نمبر: ١٤٠٣۔

ہوگا تو یہ سب جانور خوب موٹے تازے وہاں آئیں گے اور اسے اپنے سینگوں سے مارتے
اور اپنے کھروں سے روندتے جائیں گے، جب ان کا آخری گروہ گذر جائے گا تو ان کا
پہلا گروہ لوٹ کر آئے گا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان (جنت یا دوزخ کا) فیصلہ کئے
جانے تک اسے یہی سزا ملتی رہے گی۔"(۱)

چہارم: زکاۃ نہ ادا کرنے والے کی اس تاریک تصویر کے مقابلہ میں ایک وہ روشن تصویر ہے جو اللہ کے فضل وکرم سے روح اور قلب کو سعادت وکامرانی سے ڈھانپ لیتی ہے اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ وہ زکاۃ ادا کرتا ہے اور مال کو راہ خدا میں خرچ کرتا ہے، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ ألـم يعـلموا أن الله هو يقبل التوبة عن عباده ويأخذ الصدقات و أن الله
هو التواب الرحيم﴾ (التوبة:۱۰۴)

(کیا ان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول
فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے میں اور رحمت کرنے میں کامل ہے)

اور اس لئے کہ بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص حلال کمائی سے کھجور کے برابر صدقہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو صرف پاک ہی مال کو
قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر قبول کر لیتا ہے پھر وہ اسے اس
صدقہ والے کے لئے اس طرح بڑھاتا رہتا ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھڑے
کو پالتا ہے یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے مانند ہو جاتا ہے۔"(۲)

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس شخص کو اللہ کی رحمت کا شعور ہوگا وہ مصیبت زدہ لوگوں کی

---

(۱) حوالۂ سابق۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ من کسب طیب، حدیث نمبر: ۱۴۱۰، فلو سے مراد ہے گھوڑے کا بچہ ہے اس لئے کہ اس کا دودھ چھڑایا جاتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد جانور کا ہر وہ دودھ چھڑایا ہوا بچہ ہے جو کھڑ والا ہو اس کی جمع أفلاء ہے جیسے عدو اور أعداء، دیکھئے: فتح الباری ۳/۲۷۹۔

مصیبت اور محروموں کی محرومی دور کرے گا اور اتنا خرچ کرے گا جس سے بھوکوں اور اپاہج لوگوں کی ضرورت پوری ہوجائے۔

اسی بناپر جب رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے اس حقیقت کو پالیا کہ مال کی قیمت اس میں ہے کہ اسے خوش دلی اور سخاوت کے ساتھ اپنے رب کی خوشنودی تلاش کرنے کے لئے خرچ کیا جائے تو وہ حضرات خیر کے تمام کاموں میں خرچ کرنے کے لئے پہل کرتے تھے، اسی سلسلے کی ایک روایت وہ ہے جسے واقدی، ابن سعد اور ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اللہ تعالی کے راستے میں جہاد کرنے کے لئے مال خرچ کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے تھے، چنانچہ غزوہ تبوک کے موقع پر جو صحابی اپنا پورا مال لے کر حاضر ہوئے وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے اور حضرت عمر فاروقؓ اپنا آدھا مال لے کر حاضر ہوئے، اور حضرت عباسؓ، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ، حضرت محمد بن مسلمہؓ مال لے کر آئے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ دوسو اوقیہ چاندی لے کر آئے، سعد بن عبادہ مال لے کر آئے، عاصم بن عدیؓ نے نوے وسق کھجور صدقہ کیا، اور حضرت عثمان غنیؓ نے ایک تہائی لشکر کا سامان تیار کیا، اس طرح انہوں نے تمام صحابہ سے زیادہ خرچ کیا یہاں تک کہ ان کا خرچ کیا ہوا مال اس لشکر کے اخراجات کے لئے کافی ہوگیا۔ اور ایک ایک آدمی اونٹ لے کر آتا اور اسے دو آدمیوں کو دے دیتا اور کہتا کہ یہ اونٹ تم دونوں کے درمیان مشترک ہے، لہذا تم دونوں باری باری اس پر سوار ہونا، حتی کہ عورتیں اپنی قدرت کے بقدر صدقہ کررہی تھیں، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک کپڑا ان کے زیورات، پازیبوں اور انگوٹھیوں سے بھر گیا۔(۱)

علامہ سیوطی نے حضرت عائشہؓ اور حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جس دن ایمان لائے ان کے پاس چالیس ہزار دینار تھے، اسے انہوں نے رسول اللہ ﷺ

(۱) المغازی للواقدی ۳/ ۹۹۱ - ۹۹۲، الطبقات الکبری لابن سعد ۲/ ۲۳۸، البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۵/ ۴، سیرۃ الخلفاء للسیوطی/ ۲۳۴، صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی ۱/ ۱۱۶۔

پر خرچ کردیا، یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں ایک سائل کو پایا جو مانگ رہا تھا، حضرت صدیق اپنے گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے لڑکے عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا پایا تو ان سے چھین کر سائل کو دے دیا۔ (۱)

ابن الجوزی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر دحداح نے جس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ قول سنا:

﴿ و أقرضوا اللہ قرضاً حسناً ﴾ (المزمل: ۲۰)

(اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو)

تو انہوں نے اپنا وہ باغ صدقہ کردیا جس میں چھ سو کھجور کے درخت تھے اور وہ ان کا سب سے اچھا مال تھا۔ (۲)

یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معاشرہ کی ایک جھلک ہے جس میں ہر صحابی نہ صرف صدقہ فرض ادا کرتے تھے، بلکہ وہ ضرورت سے زائد مال صدقہ کرنے کے لئے سبقت کرتے تھے، اور اس کا سبب یہ تھا کہ ان کا ایمان سچا تھا اور دل پر اللہ کی محبت حاوی تھی، یہاں تک کہ مال کی محبت افضل درجۂ اعتدال میں داخل ہوگئی تھی اور یہ وہ صفت ہے جس سے مسلمان کا اپنی زندگی میں متصف ہونا ضروری ہے۔

پنجم: صدقۃ الفطر کے وجوب کا ایک بلندروحانی مقصد ہے جس کی طرف ابن ماجہ کی یہ حدیث اشارہ کررہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روزہ دار کو فضول ولایعنی اور فحش باتوں کے اثرات سے پاک صاف کرنے کے لئے اور مسکینوں، محتاجوں کے کھانے کے بندوبست کے لئے صدقۂ فطر کو واجب قرار دیا۔ (۳)

اس حدیث کی رو سے صدقۂ فطر چھوٹے، بڑے، مالدار اور فقیر اور مرد و عورت سب کے لئے

---

(۱) تاریخ الخلفاء للسیوطی / ۷۷۔

(۲) صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی ۲/ ۲۵۲-۲۵۳۔

(۳) سنن ابن ماجہ، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر حدیث نمبر: ۱۸۲۷، حضرت ابن عباسؓ کی حدیث۔

گناہوں کا کفارہ اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے، اس لئے کہ یہ سب کے حق میں ضروری ہے اور کبھی لوگ اپنے سے زیادہ محتاج آدمی پر صدقہ کرتے ہیں تو یہ صدقہ ان کے نفس کو پاک کردیتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ طہارت یہاں پر حسی اور ظاہری نہیں ہے بلکہ معنوی ہے یعنی اس سے روحانی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔

مطلب چہارم:

مسلمان آدمی کے روحانی پہلو پر روزہ کا تربیتی اثر

روزہ کا انسان کے روحانی پہلو پر تمام عبادات سے زیادہ بہتر اثر مرتب ہوتا ہے اس کی وضاحت مختلف پہلوؤں سے ہوتی ہے، جن میں سے اہم درج ذیل ہیں:

روزہ اگر اپنے ارکان وآداب کے ساتھ رکھا جائے تو وہ آدمی میں تقوی پیدا کرتا ہے اور تقوی اصلاح نفس کی بنیاد ہے، لہذا اگر تقوی پیدا ہو جائے تو اس کے نتیجے میں وہ سعادت حاصل ہوتی ہے جو تمام رنج ومحن، فکر وتردد اور خوف وخطر کا خاتمہ کر دیتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ فمن اتقى وأصلح فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون ﴾ (الاعراف: ۳۵)

(تو جو شخص تقوی اختیار کرے اور درستی کرے سو ان لوگوں پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

اور یہ معلوم ہے کہ خوف اور غم ہی قلبی پریشانی اور قلق واضطراب کی بنیاد ہے اور تقوی اور اصلاح ایسی چیز ہے جو مستقبل کے خوف وخطر اور ماضی کے حزن وغم کا خاتمہ کر دیتی ہے، اور یہ اس لئے کہ تقوی کی برکت سے انسان کو وہ کسوٹی حاصل ہوتی ہے جس کے ذریعہ انسان تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کرتا ہے اور مصائب وحوادث سے نجات پاتا ہے، اسلئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب ﴾ (الطلاق: ۱۲)

(اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا گمان بھی نہ ہو)

اور آدمی جب تک متقی پرہیزگار ہوتو وہ اللہ تعالی کی ولایت وحمایت کے دائرے میں رہتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ ألا إن أولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون ﴾ (یونس: ۶۲)

(سن لو کہ اللہ کے دوستوں کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

اور جہاں تک آخرت میں مسلمان کی سعادت وکامرانی کے حصول میں تقوی کے اثرات کا تعلق ہے تو اس کی رضا، راحت نفس اور طمانیت قلب کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اللہ تعالی کے اس قول پر یقین کرے:

﴿ إن المتقين في مقام أمين في جنات وعيون يلبسون من سندس وإستبرق متقابلين كذلك وزوجناهم بحور عين يدعون فيها بكل فاكهة آمنين لا يذوقون فيها الموت إلا الموتة الأولى ووقاهم عذاب الجحيم ﴾

(الدخان: ۵۱-۵۶)

(بے شک متقی لوگ پرامن مقام میں ہوں گے، باغوں اور چشموں میں، وہ باریک اور دبیز ریشم کا لباس پہنیں گے اور ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے سب باتیں اسی طرح ہوں گی اور ہم گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں کی ان سے شادی کردیں گے، وہ ان باغوں میں اطمینان سے ہر قسم کے میوے طلب کررہے ہوں گے، وہ وہاں بجز اس موت کے جو دنیا میں آچکی تھی کسی موت کا مزہ نہیں چکھیں گے اور اللہ تعالی ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا)

دوم: جو مسلمان اللہ تعالی سے محبت کرتا ہے وہ پابندی سے روزہ رکھتا ہے اور ماہ رمضان کا انتظار کرتا ہے، تا کہ اپنے نفس کو گناہوں سے پوری طرح دھو سکے اور معاصی سے اپنے نفس کو پاک کرسکے، اور یہ ایسی چیز ہے جو قلب کے زنگ کو دور کرتی ہے، اس لئے کہ بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص ایمان کے ساتھ اور اجر وثواب کی امید میں رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح اور تہجد) پڑھے اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور جو شخص ایمان کے ساتھ اور اجر وثواب کی طمع میں رمضان کے روزے رکھے اس کے تمام پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔''(۱)

پھر جب رمضان ختم ہو جاتا ہے تو وہ روزہ سے مانوس ہو جاتا ہے اور وہ اس کے لئے قلبی سعادت کا سرچشمہ ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل وکرم سے اسے شرح صدر ہو جاتا ہے، پھر وہ شوال میں شش عید کے روزے رکھتا ہے اور ذی الحجہ کے ابتدائی نو دنوں کے روزے رکھتا ہے، خاص طور پر یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ) کے روزہ کا اہتمام کرتا ہے اور محرم کی نویں اور دسویں تاریخ (عاشوراء) کا روزہ نہیں چھوڑتا اور شعبان میں کثرت سے روزے رکھتا ہے یا اگر اسے استطاعت ہو تو ایک دن روزہ رکھتا ہے اور دوسرے دن افطار کرتا ہے اور کم از کم ہر ماہ کے تین دن (ایام بیض) کے روزے رکھتا ہے، اور اس کے ذریعہ مسلمان مرد وعورت ہمیشہ گناہوں سے پاکی حاصل کرتے رہتے ہیں، شاید کہ اسی بنا پر امام مسلمؒ نے اپنی کتاب میں کتاب الصوم کے اندر ایک باب اس عنوان سے قائم کیا ہے: "صيام النبي ﷺ واستحباب ألا يخلي شهرا عن صوم" (نبی ﷺ کا روزہ رکھنا اور اس کا مستحب ہونا کہ کسی مہینے کو روزہ سے خالی نہ رکھے)

اور مومن کے شرف کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے مروی اس حدیث قدسی کا استحضار رکھتے ہوئے روزہ رکھے:

''روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، روزہ دار میری رضا کی خاطر اپنی شہوت اور کھانے پینے کو چھوڑ دیتا ہے، روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں، ایک خوشی افطار کرتے وقت اور دوسری خوشی اپنے رب سے ملاقات کرنے کے وقت ہوگی۔''(۲)

پس یہ وہ روزہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے، اللہ تعالیٰ کا فضل بندے کی طرف دنیا میں اللہ

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب من صام رمضان ایمانا واحتسابا، حدیث نمبر: ۱۹۰۱۔
(۲) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب هل يقول إني صائم إذا شتم، نمبر ۱۹۰۴۔

کی رحمت پر خوش ہونے کے ذریعہ اور آخرت میں اس کی نعمت کے ملنے اور جہنم سے نجات پانے پر مسرت حاصل ہونے کے ذریعہ لوٹتا ہے، اس لئے کہ مسلم نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اللہ کے راستے میں ایک دن روزہ رکھتا ہے تو اللہ تعالی اس کے درمیان اور جہنم کے درمیان ستر سال کی دوری قائم فرما دیتے ہیں۔ (۱)

سوم: رمضان کے مہینے میں مسلمان خاص قسم کی روحانی فرحت ونشاط محسوس کرتا ہے اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالی سرکش شیاطین کو مقید کر دیتا ہے اور فرشتوں کو بھیجتا ہے جو یہ ندا لگاتے ہیں کہ اے بھلائی کے چاہنے والے آگے بڑھ اور اے برائی کے چاہنے والے رک جا، اور بندے کا یہ احساس کہ رمضان میں ایک فرض کی ادائیگی کا اجر وثواب عام دنوں کے ستر فرض کے برابر ہے اور نفل کا ثواب فرض کے برابر ہے اور یہ کہ یہ جہنم سے رہائی حاصل کرنے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے، شب قدر کو تلاش کرنے اور آخری عشرے میں اعتکاف کرنے کا مہینہ ہے، یہ ایسی عظیم روحانی خوراک ہے کہ پورے سال کی دوسری خوراک اس کے برابر نہیں ہوسکتی، سوائے اس حج کے جو اللہ تعالی کی خوشنودی تلاش کرنے کی نیت سے ہو۔

چہارم: اگر مسلمان رمضان کے دنوں میں اللہ تعالی کے لئے اپنی خواہش چھوڑ دینے کی وجہ سے روحانی نشاط محسوس کرتا ہے تو وہ ہر رات تراویح کی نماز میں قیام لیل کرنے کی وجہ سے اس روحانی نشاط وانبساط سے لطف اندوز ہوتا ہے، ایسے لوگوں کی تعداد تو بہت تھوڑی ہوتی ہے جو پورے سال ہر رات میں آٹھ رکعات نماز تہجد کی پابندی کرکے روحانی نشاط پاتے ہیں جن میں لمبی قراءت کی جاتی ہے، لیکن زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو (تہجد کی پابندی نہیں کرپاتے اس لئے وہ) تراویح کی نماز کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جن لوگوں کی کچھ رکعات چھوٹ جاتی ہیں وہ اپنی نماز کی جگہ میں یا مسجد میں اسے مکمل کرلیتے ہیں، اسی طرح فجر سے قبل سحری کھانے کے لئے اٹھنا اور اللہ تعالی

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصوم ۱؍ ۳۶۵، ابن ماجہ نمبر: ۱۷۳۸۔

سے اخیر شب میں دعا کرنا بھی روحانی نشاط کا ذریعہ ہے، یہاں تک کہ سحری کھانے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے ان کے لئے دعاء رحمت کرتے ہیں اور یہ اس حدیث کی بنا پر جس کی روایت امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے کی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''سحری میں برکت ہے لہذا اسے ہرگز نہ چھوڑو اگر کچھ نہیں تو اس وقت پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لیا جائے، کیوں کہ سحر میں کھانے پینے والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے ان کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں۔''(۱)

پنجم: روزہ دار کے لئے روزے میں ایک روحانی انعام یہ ہے کہ اس کی دعا رد نہیں ہوتی، چنانچہ ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے رسول اللہ کا یہ ارشاد مروی ہے:

''إن للصائم عند فطره دعوة لا ترد''(۲)

(بے شک روزہ دار کی افطار کے وقت کی دعا رد نہیں ہوتی)

یہ دعا دنیا و آخرت میں انسان کی سعادت کے حصول کے لئے خیر کی کنجی ہے اس لئے کہ وہ نہایت الحاح اور گریہ زاری کے ساتھ یہ دعا کرتا ہے کہ وہ اس کی دنیا کی بھی اصلاح فرمادے اور آخرت میں بھی اسے جنت الفردوس عطا کرکے سرخرو فرمائے۔

ششم: مسلمان آدمی ایک بھلائی سے دوسری بھلائی کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے، جس کے نتیجہ میں اس کا قلبی تعلق اللہ تعالیٰ سے بڑھ جاتا ہے اور دنیا سے تعلق کم ہوتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ اسے اپنے رب کے ساتھ خلوت اختیار کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ وہ اس ماہ کے آخری عشرہ میں اعتکاف کا سہارا لیتا ہے تا کہ اللہ کے ساتھ محبت کا تعلق رغبت اور خوف اور امید وبیم کے ذریعہ مضبوط ہو جہاں زبان شب وروز قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر وتسبیح سے تر رہتی ہے، اور کان اسے غور سے سن کر لذت فرحت حاصل کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے عجائبات خلق میں غور کرکے اور مخلوق پر اس کی بے شمار

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصوم، باب فضل الصوم ۱/ ۴۶۶۔

(۲) سنن ابن ماجہ، کتاب الصوم، باب فی الصائم لاترد دعوتہ نمبر ۱۷۵۳۔

نعمتوں کا تصور کر کے اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہے اور آنکھیں اشک بار ہوتی ہیں، اور اس کی رحمت کی امید سے دل مطمئن ہوتا ہے اور وہ رب کائنات کے سامنے کثرت سے قیام وقعود اور رکوع وسجود کرتا ہے جس کے نتیجہ میں اس کے قلب پر رحمت الٰہی کا فیضان ہوتا ہے، جسم میں توانائی اور زندگی آتی ہے اور جب اسے وصال کی حلاوت نصیب ہوتی ہے تو وہ تراویح کے ساتھ تہجد، ذکر ودعاء، توبہ واستغفار، اور امید وبیم کے ساتھ گریہ زاری کا اہتمام کرتا ہے، یہاں تک کہ اس ماہ کی خیرات وبرکات سے بدبخت کے سوا کوئی محروم نہیں رہتا، اور متقی ہی انسان ان سے بہرہ ور ہوتا ہے، پس نفس اس سہانی آواز سے جو دل کو صاف کرنے والی ہے آسودہ ہوجاتا ہے، اور محبت میں ڈوب جاتا ہے، یہاں تک کہ جب عید کا دن آتا ہے تو وہ اپنے رب سے اپنا انعام وصول کرنے کے لئے عیدگاہ کا رخ کرتا ہے جہاں فرشتے اس سے مصافحہ کرتے ہیں، اور وہ خالق کے اخلاق سے آراستہ ہوکر اس کی خلق سے ملتا ہے، فقیروں کے ساتھ احسان کرتا ہے اور گنہ گاروں کا عذر قبول کرتا ہے اور اللہ تعالی سے ان کے گناہوں کی مغفرت کے لئے دعا کرتا ہے، اور کوتاہی کرنے والوں کو اعمال صالحہ کی رغبت دلاتا ہے، اس طرح وہ ایسا ہوجاتا ہے کہ گویا اللہ کی نظروں کے سامنے بنایا گیا ہے، اور اس اعتکاف اور خلوت کے بعد جو انسان کو اس کی فطرت سلیمہ کی طرف لوٹا دیتی ہے وہ اسلامی اخلاق وآداب کا پیکر بن جاتا ہے، اور اس طرح روح اپنی تازگی وتوانائی اور طہارت پر قائم رہتی ہے اور انسان دنیا وآخرت کی سعادت سے ہم کنار ہوتا ہے۔

ہفتم: رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف پسندیدہ سنت ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں بخاری ومسلم میں حضرت عائشہؓ سے یہ مروی ہے:

> ''جب یہ عشرہ داخل ہوتا تو آپ ﷺ کمر کس لیتے تھے، شب بیداری فرماتے تھے اور اپنے گھر والوں کو جگاتے تھے''(۱)

یہ اعتکاف ایک بلند روحانی سفر ہے جس میں روح اور نفس کو ان کی تمام گندگیوں اور آلودگیوں

(۱) صحیح البخاری، کتاب فضل لیلۃ القدر، باب العمل فی العشر الاواخر من رمضان، نمبر: ۲۰۲۴، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب اجتہاد فی العشر الاواخر من رمضان ۱/۸۰۴، کمر کسنے سے مراد عورتوں سے الگ تھلگ رہنا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ عبادت کے لئے مستعد ہوجانا مراد ہے دیکھئے: فتح الباری لابن حجر ۴/۳۱۶۔

سے پاک صاف کرنے پر پوری توجہ مرکوز کی جاتی ہے، اس لئے کہ اعتکاف جناب استاذ احمد غراب کے الفاظ میں:

''نہ رہبانیت ہے نہ ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار کرنا ہے، بلکہ وہ زندگی کے سفر میں ایک مختصر سا وقفہ ہے جس میں انسان گہری نظر ڈال کر یہ جائزہ لیتا ہے کہ وہ اس سفر میں کتنا راستہ طے کر چکا ہے اور کتنا باقی ہے اور یکسوئی کے ساتھ خلوت میں عبادت کرنے والا اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے کہ اللہ رب العزت کے جناب میں اس سے کیا کیا کوتاہی سرزد ہوتی ہے اور اس کے تدارک کی کیا صورت ہے۔

بے شک اعتکاف نفس کو اللہ تعالی کے طریقے پر محبوس رکھنا ہے اور خوف و امید کی دنیا میں پرواز کرنا ہے اور تقوی کے توشہ کے ساتھ اللہ تعالی کی طرف سفر کرنا ہے اور نفس کو مجاہدہ اور مشقت میں ڈالنا ہے تا کہ اس میں خیر کی جو صلاحیتیں پوشیدہ ہیں وہ اجاگر ہوں اور شر کے وہ رجحانات مغلوب ہوں جن کی طرف نفس تیزی سے مائل ہوتا ہے، بے شک رات کی نمازیں قرآن کریم کی تلاوت، ذکر و تسبیح کی مداومت، نوافل کی کثرت، نماز میں خشوع وخضوع کے حصول کی کوشش اور اللہ کے لئے کسی سے گہری محبت اور دوستی مسجد کے عادات میں سے ہے، اس پر روزہ اور ماہ صیام کی فضیلت مستزاد ہے، یہ تمام چیزیں یکجا ہو کر مسلمان آدمی کے اندر خیر کی پوشیدہ صلاحیتوں کو پروان چڑھاتی ہیں اور اس کے اعمال خیر میں اضافہ کا سبب بنتی ہیں۔

مطلب پنجم:

مسلمان آدمی کے روحانی پہلو پر حج کا تربیتی اثر

حج اللہ تعالی کی طرف ایک سفر ہے جس میں مسلمان دنیا کے ان تمام علائق سے کنارہ کش ہوجاتا ہے جو اس کی پیدائش کے وقت سے اس کے ساتھ لگے ہوئے تھے حتی کے لباس وپوشاک سے بھی، وہ اس سفر میں اپنی ان عادتوں کو تبدیل کردیتا ہے جن کا وہ عادی تھا مثلاً خوشبو لگانا، تیل استعمال کرنا، بال کاٹنا، ناخن تراشنا، سر چھپانا اور شکار کرنا وغیرہ۔ حاجی اس سفر میں اپنے اہل وعیال اور مال کو چھوڑ دیتا ہے اور ہر چیز سے خالی ہوکر اللہ تعالی کے لئے نکل پڑتا ہے، ہاں توبہ، انابت الی اللہ، ذکر ودعاء اور عبادت الٰہی کی سچی رغبت ساتھ ہوتی ہے، اور یہ چیزیں روحانی پہلو کی اصلاح میں اہم کردار ادا کرتی ہیں، اس حقیقت کی وضاحت درج ذیل امور سے ہوتی ہے:

اول: اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کام کرنے والے کو یہ احساس ہوجائے کہ اس کے تھوڑے سے عمل پر بڑی اجرت ملنے والی ہے تو اس کا دل خوشی سے بھر جائے گا، اسی طرح جب حاجی ان لوگوں کے لئے اللہ تعالی کے وعدوں اور انعامات کو پڑھتا ہے جو حج وعمرہ کی نیت سے اس کے گھر کا قصد کرتے ہیں تو اس سے اس کو شرح صدر حاصل ہوتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں روئے زمین پر پائے جانے والے ہر مسلمان کے دل میں یہ تمنا اور آرزو انگڑائی لینے لگتی ہے کہ اللہ تعالی اسے اپنے گھر کے حج اور اپنے نبی کریم ﷺ کی زیارت سے سرفراز اور شرف یاب فرمائے، اور غیر اختیاری طور پر بڑوں کے دل میں بھی یہ خواہش پروان چڑھتی ہے، اور بوڑھے لوگ بھی اس کے خواہش مند ہوتے ہیں اور یہ تمنا کرتے ہیں کہ جب تک ان کے دل اور ان کی آنکھیں خانہ کعبہ، مکہ، مدینہ، منی، عرفات اور مزدلفہ کے

دیدار سے ٹھنڈی نہ ہوں ان کی موت نہ آئے اور اس کی علت حج وعمرہ کے سلسلے میں وارد ہونے والے بہت سارے نصوص ہیں، جن میں سے چند ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:

۱- بخاری ومسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کفارہ ہو جاتا ہے ان گناہوں کا جو ان کے درمیان ہیں اور حج مبرور (مقبول ومخلصانہ حج) کا بدلہ تو بس جنت ہے۔''(۱)

۲- ترمذی، نسائی اور احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''پے در پے حج وعمرہ کرتے رہو، اس لئے کہ یہ دونوں فقر وفاقہ اور گناہوں کو اس طرح دور کردیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے زنگ اور میل کچیل کو دور کر دیتی ہے اور حج مبرور ومقبول کا اجر وثواب تو بس جنت ہے۔''(۲)

یہ اور ان کے علاوہ دیگر نصوص جو حج وعمرہ کی فضیلت میں وارد ہیں وہ ان لوگوں کے اندر حج وزیارت کا شوق پیدا کرتے ہیں جو اب تک اس شرف سے محروم ہیں اور جس مسلمان کو ایک مرتبہ یا ایک سے زیادہ مرتبہ یہ شرف حاصل ہو چکا ہے اللہ سے اس کا تعلق بڑھ جاتا ہے اور بار بار حج وعمرہ اور زیارت کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے، اور کوئی مسلمان ایسا نہیں ملے گا جس کے پاس ذرہ برابر ایمان ہو اور اس کا دل اس ایمانی سفر کے ساتھ اٹکا ہوا نہ ہو حتی کہ وہ مسلمان جو فاسق وفاجر ہیں وہ بھی اس اہم اسلامی رکن اور شعار کی ادائیگی کی سچی خواہش رکھتے ہیں اور دل سے اس کی تمنا کرتے ہیں کہ اللہ اپنے فضل وکرم سے انہیں اس شرف سے نوازے۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب العمرۃ، باب وجوب العمرہ، نمبر: ۱۷۷۳، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل الحج والعمرۃ ۵۶۶/۱، الجامع الصحیح للامام الربیع بن حبیب، نمبر: ۴۳۱)

(۲) سنن الترمذی، باب ماجاء فی ثواب الحج والعمرۃ (۸۰۷)، سنن النسائی، کتاب المناسک، باب فضل المتابعۃ بین الحج والعمرۃ ۱۱۵/۵، الفاظ ترمذی کے ہیں، اور انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

دوم: حج وعمرہ، قلب کو صفائی ستھرائی اور اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرنے کا قیمتی موقع فراہم کرتے ہیں، یہ اس ذکر الٰہی کا سفر ہے جس کی پابندی سے دل آسودہ ہوتا ہے، اگر جسم چند لقموں سے آسودہ ہوجاتا ہے تو قلب کو اللہ کے ذکر کے مانند کوئی چیز سعادت وآسودگی سے بہرہ ورنہیں کرتی، حج وعمرہ کرنے والا جب اپنے دنیوی مشاغل سے نکل کر مقدس سرزمین پر پہنچتا ہے اور اللہ کے محترم گھر میں قدم رکھتا ہے تو ایسا محسوس کرتا ہے کہ کسی چیز نے اس کے قلب کو آسمان سے اور عرش عظیم سے باندھ دیا ہے، تو وہاں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ قلب اور زبان دونوں ایک ساتھ اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں قرآنی نصوص اور احادیث نبوی سے اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ قلب کو زندہ کرنے کے لئے یہ ذکرواذکار کا سفر ہے، ان میں سے قرآن وحدیث کے چند نصوص درج ذیل ہیں:

الف- اللہ تعالیٰ کا یہ قول:

﴿والبدن جعلناها لكم من شعائر الله لكم فيها خير فاذكروا اسم الله عليها صواف﴾ (الحج:٣٦)

(اور ہم نے تمہارے لئے قربانی کے اونٹوں کو عبادت الٰہی کی نشانی اور یادگار مقرر کیا ہے ان میں تمہارے لئے اور بھی فائدے ہیں سوتم ان کو قربانی کرتے وقت قطار میں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لیا کرو)

ب- اللہ تعالیٰ کا یہ قول:

﴿فإذا أفضتم من عرفات فاذكروا اسم الله عند المشعر الحرام﴾ (البقرة:١٩٨)

(جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام کے پاس ذکر الٰہی کرو)

ج- اللہ تعالیٰ کا یہ قول:

﴿فإذا قضيتم مناسككم فاذكروا الله كذكركم آباءكم أو أشد ذكرا﴾ (البقرة:٢٠٠)

(پھر جب تم ارکان حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر

کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ)

د- اللہ تعالی کا قول:

﴿واذكروا الله في أيام معدودات فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه لمن اتقى﴾ (البقرہ: ۲۰۳)

(اور اللہ کی یاد ان گنتی کے چند دنوں (ایام تشریق) میں کرو، دو دن کی جلدی کرنے والے پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو پیچھے رہ جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، یہ پرہیز گار کے لئے ہے)

ھ- دارمی کی وہ حدیث جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''بیت اللہ کا طواف، رمی جمار، اور صفا و مروہ کے درمیان سعی اللہ تعالی کے ذکر کو قائم کرنے کے لئے ہے۔''(۱)

ان نصوص سے قلب کے ذریعہ ذکر کرنے کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے، یہاں تک کہ حاجی کے دل میں خشوع اور عاجزی پیدا ہوجاتی ہے، وہ جب بھی شعائر اللہ میں سے کسی کا قصد کرتا ہے تو دائمی ذکر کے ساتھ۔ اور شاید کہ حضرت عائشہؓ نے حج کی حقیقت کو پالیا جب کہ انہوں نے حج کے ان تمام ارکان ومناسک کو ذکر اللہ قائم کرنے کا ذریعہ قرار دیا جس میں قلوب کی زندگی اور سینوں کی شفا ہے۔

سوم: اس کے ساتھ تلبیہ بھی متعلق ہے جو حج وعمرہ کے خاص شعائر میں سے ہے، اس کی فضیلت میں ابن ماجہ کی حدیث حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کا مومن ومسلم بندہ جب حج یا عمرہ کا تلبیہ پکارتا ہے (اور کہتا ہے لبیک اللّٰہم لبیک لبیک الخ) تو اس کے داہنی طرف اور بائیں طرف اللہ کی جو بھی مخلوق ہوتی ہے خواہ وہ بے جان پتھر یا درخت یا ڈھیلے ہی ہوں وہ بھی اس بندے کے ساتھ لبیک کہتی ہیں یہاں تک کہ زمین اس طرف اور اس طرف سے تمام ہوجاتی ہے۔''(۲)

اور تلبیہ کا مطلب ہے (حج کے سلسلے میں) اللہ کی پکار کو محبت اور رغبت کے ساتھ قبول کرنا،

(۱) سنن الدارمی، کتاب المناسک، نمبر۱۸۵۴۔

(۲) سنن ابن ماجہ، کتاب الحج، باب التلبیۃ ۲/ ۹۷۴۔

صرف خوف اور دہشت کے ساتھ نہیں، لہٰذا وہ بیوی جسے اس کا شوہر پکارتا ہے وہ اسکی پکار پر اسی وقت لبیک کہہ سکتی ہے جب کہ وہ اس سے سخت محبت کرنے والی ہو اور اس سے پوری طرح خوش ہو، اور اللہ کے لئے سب سے اونچی مثال ہے اور بندہ جب تلبیہ کا اعلان کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ وہ ایسا دل لے کر آیا ہے جو اللہ سے محبت کرنے والا، اس کی رحمت کا امیدوار اور اس کے عذاب سے ڈرنے والا ہے، لیکن یہ تلبیہ اللہ کی پکار کو قبول کرنے والے اس حاجی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ وہ اللہ کی پوشیدہ محبت ان تمام مخلوقات میں بھی اجاگر کردیتا ہے جو اس کے آس پاس ہوتے ہیں یعنی پتھر، درخت، مٹی، پہاڑ اور زمین و آسمان، یہ سب تلبیہ پڑھنے لگتے ہیں اور اس حاجی یا عمرہ کرنے والے کے ساتھ ان پاکیزہ کلمات میں شریک ہوجاتے ہیں، اور یہ انسان اور کائنات کے درمیان ایمانی موافقت اور ہم آہنگی کی سب سے بڑی صورت ہے، ایسی ہم آہنگی جو توحید، اور اللہ تعالی کی ربوبیت کو تسلیم کرلینے اور تنہا اس کی عبادت کرنے کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے اور یہ ایسا شعور واحساس ہے جو عبادت کرنے والے کے قلب کو قوت وتوانائی سے بھر دیتا ہے، اس لئے کہ وہ (اس پوری کائنات کے ساتھ اللہ تعالی کے سامنے سجدہ کرتا ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے سورۂ حج کی آیات کے مضامین میں فرمایا:

﴿ألـم تـر أن الـلـه يـسـجـد له من في الـسـموات ومن في الأرض والشمس والـقـمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وكثير من الناس وكثير حق عليه العذاب﴾ (الحج:١٨)

(کیا تو نہیں دیکھ رہا کہ اللہ کے سامنے سجدے میں ہیں سب آسمانوں والے اور سب زمینوں والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان بھی، ہاں بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب کا مقولہ ثابت ہو چکا ہے)

یہ آیت کائنات اور مسلمان آدمی کے درمیان سجدہ میں ہم آہنگی کی بلندی کی نمائندگی کرتی ہے اور شاید کہ یہ ان مقدس مقامات کے ایمانی جذبات کی تفسیر ہے، اس لئے کہ یہ مقدس مقامات سال بھر ذکر، دعا اور تلبیہ سنتے ہیں اور حاجیوں کے ساتھ تلبیہ پڑھنے میں شریک ہوتے ہیں جس کی بنا پر وہاں

اس روحانی بادبہاری اور ربانی رحمتوں کا احساس اور مشاہدہ ہوتا ہے جو دوسری جگہوں میں نہیں ہوتا، اور یہ مقدس مقامات اس سرزمین سے قطعاً مختلف ہیں جس میں طرح طرح کے فسق وفجور کا ارتکاب ہوتا ہے، جس سے وہ اذیت محسوس کرتی ہے، ایسی سرزمین سے جب کسی مومن کا گذر ہوتا ہے تو اسے قلبی انقباض ہوتا ہے، اس کے برخلاف جب وہ اس پاکیزہ سرزمین میں داخل ہوتا ہے تو اس کا دل کھل جاتا ہے اور اسے اطمینان اور شرح صدر حاصل ہوتا ہے۔

چہارم: دعا جو عبادت کا مغز ہے وہ حج وعمرہ کے شعائر میں سے ہے، اس لئے کہ حج اور عمرہ کرنے والے احرام باندھتے وقت، مکہ یا مسجد حرام میں داخل ہوتے وقت، بیت اللہ کا طواف کرتے وقت، آب زمزم پیتے وقت، صفاء ومروہ کی سعی کے وقت، وقوف عرفہ کے وقت، منی میں قربانی کرتے وقت اور رات گذارتے وقت گریہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالی سے خالص دعا کرتے ہیں، ان تمام متبرک مقامات میں دعا مسنون ومقبول ہے، خواہ وہ دعائیں ہوں جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں یا ہر مسلمان کو اس موقع پر جو شرح صدر ہو اور اللہ تعالی کی طرف سے زبان پر جو دعا جاری ہوجائے، البتہ نبی کریم ﷺ رکن یمانی اور رکن حجر اسود کے درمیان طواف کرتے ہوئے یہ قرآنی دعا پڑھتے تھے:

﴿ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار﴾
(البقرہ: ۲۰۱)

(اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے نجات دے)

اور صفا کی پہاڑی پر یہ دعا پڑھتے تھے:

''لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير''(۱)

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت

---

(۱) الموطا للامام مالک بن انس، کتاب الحج، باب البدء بالصفا في السعي ۱/ ۳۷۲۔

ہے اور تمام تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے)

بہر حال وہ مقامات دعا جن میں قبولیت کا زیادہ گمان ہے وہ درج ذیل ہیں:

الف- حجر اسود کا استقبال کرتے وقت، اس لئے کہ حاکم نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کا استقبال اور اس کا بوسہ لیا، پھر اپنے دونوں ہونٹوں کو اس پر رکھا اور دیر تک روتے رہے، پھر آپ ﷺ نے التفات فرمایا تو حضرت عمرؓ رو رہے تھے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''یا عمر، ھاھنا تسکب العبرات''(۱)

(اے عمر! یہاں پر آنسو جاری ہوتے ہیں)

ب- آب زمزم پیتے وقت اور یہ اس لئے کہ حاکم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''ماء زمزم لما شراب له''(۲)

(زمزم کے پانی سے وہ مقصد پورا ہو جاتا ہے جس کے لئے اسے پیا جائے)

ج- عرفہ کے دن دعا کرنا اس دن کی دعا تمام ایام اور اوقات کے مقابلے میں زیادہ قبول کی جاتی ہے، اسی بنا پر امام مالک نے حضرت طلحہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ما رؤی الشیطان یوما هو فیه أصغر ولا أدحر ولا أحقر ولا أغیظ منه فی یوم عرفة، وما ذاک إلا لما رأی من تنزل الرحمة وتجاوز الله عن الذنوب العظام''(۳)

---

(۱) حاکم نے اسے المستدرک میں روایت کیا ہے اور صحیحین میں بھی ہے اور انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے دیکھئے: ۱۶۷۰، (۱/ ۴۷۲) نمبر کے ساتھ۔

(۲) سنن ابن ماجہ من حدیث جابر بن عبداللہ، کتاب المناسک، باب الشرب من ماء زمزم، نمبر: ۳۰۶۲، ورواہ الحاکم من حدیث ابن عباس، کتاب المناسک، حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

(۳) مؤطا الامام مالک کتاب الحج ۱/ ۴۲۲۔

(شیطان عرفہ (حج) کے دن سے زیادہ کسی اور دن زیادہ ذلیل وحقیر، دھتکارا ہوا اور زیادہ غصہ کی حالت میں نہیں دیکھا گیا اور یہ صرف اس لئے کہ وہ (اس دن) دیکھتا ہے کہ اللہ کی رحمت نازل ہورہی ہے اور اللہ تعالی بڑے بڑے گناہوں کو معاف کررہا ہے)

اور امام مالکؒ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أفضل الدعاء دعاء يوم عرفة، وأفضل ماقلت أنا والنبيون من قبلي: لا إله إلا الله"(۱)

(سب سے افضل دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے اور سب سے بہتر بات جو میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے کہی وہ لاالہ الااللہ ہے)

یہ نصوص اس بات کی طرف مشیر ہیں کہ مسلمان کے سامنے کثرت سے دعا اور توبہ کرنے، اللہ کی طرف رجوع کرنے اور اچھی طرح گریہ وزاری کرنے کے لئے بڑا ہی اچھا موقع ہوتا ہے، اس دعا کے بعد حج اور عمرہ کرنے والا اس حال میں لوٹتا ہے کہ اس کا قلب اللہ تعالی کے سامنے عاجزی سے پگھل جاتا ہے اور اس کا دل اللہ تعالی کی رحمت کی امید سے بھر جاتا ہے، اور شاید کہ یہ (اس شخص کے لئے جو اسے چکھے اور جانے) اس قلبی اور روحانی سعادت کا سب سے وسیع دروازہ ہے جس سے اللہ تعالی ان لوگوں کو سرفراز فرماتا ہے جو اس کے گھر آتے ہیں اور اس سے گریہ وزاری کرتے ہیں۔

پنجم: حج کے اندر آدمی کے دل میں اللہ کے حکم کو بغیر کسی تردد کے بجالانے کا جذبہ زندہ ہوتا اور پرورش پاتا ہے، اسے اس کا کامل یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے جو حکم دیا ہے اسی سے دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل ہوگی اور یہ کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ نہیں کرتا اور یہ مقدس سرزمین ہر موقع پر اس حقیقت کی یاددہانی کرتی ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیمؑ نے نازک سے نازک موقع پر بھی اللہ تعالی کا حکم بجالایا اور بلاچوں وچرا اوامر الٰہی کی تعمیل کی، انہوں نے اللہ کے حکم سے اپنی رفیقۂ حیات اور شیر خوار فرزند کو اس خشک صحرا اور بے آب وگیاہ سرزمین میں لاکر چھوڑ دیا جہاں نہ کھیتی تھی نہ

---

(۱) الموطا ۱/۴۲۱۔

کوئی جانور، نہ کوئی غذا تھی نہ ایک قطرہ پانی، پھر اللہ نے اپنی قدرت سے میٹھے پانی کا چشمہ جاری کیا جو بھوکوں کے لئے غذا کا کام دیتا ہے اور پیاسوں کی پیاس دور کرتا ہے اور جس میں ہر مریض کے مرض کی دوا ہے، پھر جب ان کے لختِ جگر بڑے ہوئے اور کام میں ان کا ہاتھ بٹانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے فرزند اور جگر گوشے کو قربان کر دیں تو انہوں نے اس حکم کی تعمیل میں ذرا بھی تردد اور تاخیر نہیں کی اور صاحب زادے کا موقف بھی تسلیم ورضا کے سوا کچھ نہ تھا۔

اور یہ مقدس مقامات تسلیم ورضا اور ایثار قربانی کا نشان بن گئے اور قربانی تا قیام قیامت حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی سنت قرار پائی، تاکہ ہر صاحب عقل اس حقیقت کو یاد رکھے کہ عقل کو وحی الٰہی کی ضرورت ہے، وہ اس سے مستغنی نہیں ہوسکتی اور وحی عقل سے بے نیاز ہے اور یہ کہ جو مسلمان بھی بلا تردد حکم الٰہی کی تعمیل کرتا ہے وہ دنیا وآخرت کی کامیابی سے ہم کنار ہوتا ہے۔

ششم: حج کے ارکان ومناسک آخرت کے گھر کی یاد دلاتے ہیں، اسی سلسلے میں شیخ جیطالی فرماتے ہیں:

> ''حج وعمرہ کا سفر، سفر آخرت اور معاد کے ہولناک مناظر اور لرزہ خیز احوال کی یاد دلاتا ہے، مثلاً حاجی کا سواری پر سوار ہونا، جنازہ کو تابوت پر سوار کرنے کی مثال ہے اور اس کا جنگل اور بیابان میں داخل ہونا اور اس کی گھاٹیوں کو پار کر کے میقات تک پہنچنا موت کے بعد دنیا سے نکل کر قیامت کی میقات تک پہنچنے اور وہاں کے پرخطر اور لرزہ خیز احوال کا مشاہدہ کرنے اور وہاں کے سوالات اور مطالبات کی یاد دلاتا ہے اور اس کا اپنے اہل وعیال سے جدا ہو کر سفر کرنا اور ڈاکوؤں اور درندوں کا سامنا کرنا اس کے تنہا قبر میں ڈالے جانے اور اس کے کیڑوں مکوڑوں اور سانپ بچھوؤں کا سامنا کرنے کی مثال ہے، اور اس کا احرام باندھنا اور اپنے عمومی لباس کی ہیئت کے خلاف احرام کی چادروں میں لپٹنا کفن کی چادروں کی یاد دلاتا ہے، اس لئے کہ یہ دونوں سلے ہوئے نہیں ہوتے اور ان میں بندہ لپٹا ہوتا ہے اور میقات پر اس کا تلبیہ پڑھنا اس منظر کی یاد دلاتا ہے جب قیامت کے دن صور پھونکا

جائے گا اور لوگ قبروں سے اٹھ کر پکارنے والے کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے میدان محشر میں حاضر ہوں گے اور اس کا پراگندہ بال اور غبار آلود حالت میں حرم میں داخل ہونا قبر سے اٹھنے اور لوگوں کے ہمراہ ننگے بدن اور بدحواسی کی حالت میں نگاہیں نیچی کئے ہوئے میدان محشر میں حاضر ہونے کے مانند ہے، اور اس کا تمام زائرین کے ہمراہ تیزی سے مکہ معظمہ کی طرف آنا اس منظر کی عکاسی کرتا ہے جب لوگ قیامت کے دن جنت میں داخل ہونے کی امید کے ساتھ اس کی طرف لپکیں گے اور اس کا بیت اللہ میں داخل ہونا اور غلاف کعبہ سے چمٹنا اللہ رب العزت کی بارگاہ میں حاضری کی مثال ہے۔"(۱)

(۱) قواعد الاسلام للجیطالی، تصحیح وتعلیق بکلی عبدالرحمن بن عمر ۲/۱۲۶-۱۲۷۔

دوسری بحث

مسلمان آدمی کے اخلاقی پہلو پر عبادات کا تربیتی اثر

مطلب اول:

مردمومن کے اخلاقی پہلو پر طہارت کا تربیتی اثر

مردمومن کے اخلاقی پہلو کی اصلاح میں طہارت مختلف حیثیت سے اثر انداز ہوتی ہے، جن میں سے اہم درج ذیل ہیں:

اول: وہ نجاستیں جن سے طہارت حاصل کرنے کو شریعت نے فرض قرار دیا ہے، مثلاً مردار، بہتا ہوا خون، کتا، سور اور غیر ماکول اللحم جانور کا پیشاب اور لید گوبر، قئی، پیپ، مذی، اور ودی، یا ان کے علاوہ وہ نجاستیں جنہیں فطرت سلیمہ اور پاکیزہ طبیعتیں خبیث اور ناپاک سمجھتی ہیں اور جن سے ہمیشہ پاک صاف رہنا نظافت اور ترقی کے اخلاقی حس کی حفاظت کرتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ظاہری وحسی ناپاکیاں اخلاقی گندگی کا سبب بنتی ہیں، اسی بناپر ضروری ہے کہ اگر ان نجاستوں میں سے کوئی چیز انسان کے کپڑے یا بدن یا پانی یا اس کی جگہ میں لگ جائے تو وہ ان سے طہارت حاصل کرے، اس طرح وہ باہر سے طرح طرح کی نظافتوں میں گھرا رہے اور اندر سے بھی وہ طہارت سے معمور رہو، تا کہ طہارت کے ذریعہ اس کی اس فطرت کی حفاظت ہوسکے جس پر اللہ نے اسے پیدا کیا ہے۔

دوم: ان نجاستوں کو دور کرنے یا حدثوں (حدث اکبر واصغر) سے طہارت حاصل کرنے کے سلسلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ سنت نبوی بلند کلمات کے ساتھ ہماری رہنمائی کرتی ہے، مثلاً استنجاء یا بلند جگہ کو طلب کرنا ہے، اسی طرح استطابہ، اعلی درجہ کی خوشبو طلب کرنے کو کہتے ہیں اور وضوضوء سے ماخوذ ہے (جس کے معنی روشنی کے ہیں) اور وضاءۃ کے معنی حسن اور نظافت کے ہیں، اسی بناپر ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا عمر بن الخطابؓ جب ایک ایسی قوم کے پاس سے گذرے جس نے آگ جلا رکھی تھی اور یہ معلوم

نہیں تھا کہ وہ کون لوگ ہیں، تو حضرت عمرؓ نے انہیں یہ کہتے ہوئے پکارا: " یا أهل الضوء "(اے روشنی والو) اور یا أهل النار (اے آگ والو) نہیں کہا، اور یہ اسلام کا جاری کردہ طریقہ ہے کہ وہ ہر چیز کو بہتر بنا کر پیش کرتا ہے حتی کہ الفاظ اور ناموں کو بھی اس لئے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وقل لعبادي يقولوا التي هي أحسن إن الشيطان ينزغ بينهم﴾

(الإسراء: ۵۳)

(اور میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں کیوں کہ شیطان آپس میں فساد ڈلواتا ہے)

اور خود رسول اللہ کا معمول یہ تھا کہ جب آپ دیکھتے کہ کسی نے اپنے بچہ کا نام غلط رکھا ہے تو آپ اسے بدل کر اچھا نام رکھ دیتے، چنانچہ اسی سلسلے میں مسلم کی ایک روایت حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے:

" نبی کریم ﷺ نے ایک عورت کو دیکھا جس کا نام عاصیہ تھا (جس کے معنی گنہ گار کے ہیں) تو آپ ﷺ نے اس کا نام بدل کر جمیلہ رکھا (جس کے معنی خوبصورت کے ہیں) "[1]

سوم: طہارت کے آداب کی رعایت کرنے سے مسلمان اس کا عادی بنتا ہے کہ وہ لوگوں کے جذبات کی کس طرح رعایت کرے، چنانچہ قضائے حاجت کے ضروری آداب میں سے یہ ہے کہ آدمی لوگوں کے سایے کی جگہ اور ان کے راستے سے دور بیٹھے، اسی سلسلے میں مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" تم ان دو چیزوں سے بچو جو لعنت کا سبب ہیں، صحابہ نے دریافت کیا، یا رسول اللہ! وہ لعنت کرنے والی دو چیزیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ یہ ہیں کہ کوئی شخص لوگوں کے راستے یا ان کے سائے میں پاخانہ کردے۔ "[2]

یہ ادب انسان کے اس شعور واحساس کو قوت پہنچاتا ہے کہ وہ اپنے آس پاس کے ماحول کی

---

(۱) المسند ۲/ ۱۸۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب النھی عن التخلی فی الطرق والظلال۔

حفاظت کرے اور دوسروں کو اذیت نہ پہنچائے۔

چہارم: استنجاء، وضو اور غسل کے اندر طہارت کے آداب میں سے یہ ہے کہ پانی کے استعمال میں میانہ روی اختیار کرے خواہ بہتے دریا سے ہی طہارت حاصل کررہا ہو، اس لئے کہ ابن ماجہ کی روایت ہے:

> ''رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حضرت سعدؓ کو دیکھا کہ وہ پانی کے استعمال میں فضول خرچی کررہے ہیں تو آپ ﷺ نے پوچھا: اے سعد یہ کیا اسراف ہے، تو انہوں نے پوچھا، کیا پانی کے استعمال میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں، اگر چہ تم کسی بہتے ہوئے دریا پر ہی کیوں نہ ہو۔''(۱)

یہ ادب طہارت سے منتقل ہوکر اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے ہر چیز یعنی مال ودولت، لباس وپوشاک اور کھانے پینے میں میانہ روی اختیار کرنے کی عام عادت بن جاتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی اپنے خاص بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

> ﴿والذین إذا أنفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما﴾ (الفرقان:۶۷)
>
> (اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ وہ خرچ کرنے میں تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا ان دونوں باتوں کے درمیان اعتدال کے ساتھ ہوتا ہے)

وہ ممالک جو قدرتی اشیاء خصوصا پانی کے استعمال میں فضول خرچی کی شکایت کرتے ہیں اگر وہ اسلام اور اس کے احکام وآداب کو بنیاد بناکر لوگوں کو یہ دعوت دیں کہ وہ قدرتی اشیاء کا استعمال بہتر طریقے پر اور میانہ روی کے ساتھ کریں تو لوگ آسانی سے جلد اس دعوت کو قبول کرلیں گے، اور اس کا بہت اچھا اور قوی اثر ہوگا اور ان کی حفاظت کے سلسلے میں کوشش مہیا ہوگی اور زراعتی خطے کو بڑھانے کی صورت میں ان کا استعمال کرنا ممکن ہوگا اور اس طرح ہم غلے اناج اور غذائی اشیاء فراہم کرنے میں خود

---

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء نمبر: ۴۲۵۔

کفیل اور دوسروں کے محتاج اور دست نگر بننے سے مستغنی ہوسکیں گے۔

پنجم: نجاستوں سے پاکی حاصل کرنے کا اہتمام اور استنجاء، وضو، طہارت اور غسل کے اسباب جب پائے جائیں یا جب مسلمان لوگوں کے ساتھ جمع ہونے کے لئے نکلے تو طہارت حاصل کرنے کی حرص وطمع اسلامی آداب میں داخل ہے، چنانچہ نماز جمعہ وعیدین کے لئے، مکہ میں داخل ہونے کے لئے اور وقوف عرفہ کے لئے غسل کرنا اسی قبیل سے ہے، یہ طہارت مسلمان آدمی کو تمام اوقات میں خوبصورت اور صاف ستھرا رکھتی ہے، اس لئے کہ نمازیں دن رات کے اوقات میں تقسیم کردی گئیں، پس جب مسلمان نیند سے بیدار ہوتا ہے تو وہ پاکی حاصل کرنے کے لئے سبقت کرتا ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ اسے اس بات سے منع فرماتے ہیں کہ وہ اپنا ہاتھ برتن میں ڈالے جب تک کہ اسے تین مرتبہ نہ دھولے، اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ کہاں کہاں گیا ہے اور کس حال میں رات گذارا ہے۔[1]

پھر وہ جلدی سے وضو کرتا ہے اور اس میں اس کے جسم کے ان اعضاء کی طہارت ہے جن میں بسا اوقات گردوغبار اور میل کچیل لگ جاتے ہیں، پھر وہ چاشت کی نماز کے لئے وضو کرتا ہے، اور اپنے کام کے دوران وہ ظہر کی نماز کے لئے وضو کرتا ہے، اور کام سے لوٹتے وقت وہ ان گندگیوں اور میل کچیل کو بھی عصر کے وضو میں دور کرتا ہے جو اس کے بدن پر لگ گئے ہوں اور مغرب اور عشاء میں بھی وہ اس طہارت کا حریص ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں وہ رات اس طرح گذارتا ہے کہ تمام گندگی اور میل کچیل سے خالی ہوتا ہے، یہ صفائی ستھرائی کو مسلمان کی عادت اور خصلت بنادیتا ہے، اس طور پر کہ مسلمان اسے گوارہ نہیں کرتا کہ اس کے بدن پر کوئی نجاست یا گندگی لگی رہے، اگر کبھی ایسا ہو تو وہ فوراً اس کی صفائی ستھرائی کی طرف متوجہ ہوتا ہے خواہ کسی نماز کا وقت بھی نہ آیا ہو، اس طرح مسلمان آدمی نظافت کی اعلی خصوصیات سے متصف ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ اسے اللہ تعالی کی عبادت کے طور پر اور

(۱) دیکھئے: صحیح البخاری، کتاب الطہارۃ، باب کراہۃ غمس المتوضی وغیرہ یدہ المشکوک فی نجاستہا فی الاناء۔

قیامت کے دن اس کی محبت اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انجام دیتا ہے، یہاں تک کہ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں مروی ہے:

''وہ اپنے اوپر روزانہ اللہ تعالی کی عبادت کی نیت سے پانی ڈالتے تھے۔''(۱)

ششم: انسان اس بلند اخلاق اور اعلی ادب سے میت کے غسل میں بھی غافل نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے کہ میت کو فاسق وفاجر لوگ غسل دیں یا ایسے نیک لوگ جو راز کی باتوں کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتے، بلکہ مناسب یہ ہے کہ میت کے اولیاء غسل دینے اور تجہیز وتکفین میں ایسے لوگوں کو ساتھ رکھیں جن کے قلوب راز کی حفاظت کرنے میں قبروں کے مانند ہوں، تاکہ اگر میت خدا نخواستہ ایسے برے لوگوں میں سے ہو کہ بدبختی کی علامت چہرے کی سیاہی یا مسخ کی صورت میں ظاہر ہو جائے تو وہ اس راز کو آشکارا نہ کرے، اور اگر غسل دینے والا امانت دار اور محتاط نہ ہوگا(۲) تو وہ اس راز کو لوگوں کے درمیان ظاہر کر دے گا اور اس کے دشمن اس پر خوش ہوں گے، اور اسلام نے اس سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے، چنانچہ ابن ماجہ نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے یہ روایت نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لیغسل موتاکم المامونون''(۳)

(تمہارے مردوں کو ایسے لوگ غسل دیں جن کے بارے میں یہ اطمینان ہو کہ وہ راز کا انکشاف نہیں کریں گے)۔

---

(۱) فتح الباری لابن حجر ۲/۳۱۴۔

(۲) الکافی لابن قدامہ ۱/۲۴۹، یہ بات ملحوظ رہے کہ غسل دلانے والے میں امانت شرط ہے تاکہ غسل بھی مکمل طور پر انجام دیا جائے اور کوئی قباحت نظر آئے تو اسے ظاہر نہ کرے۔

(۳) سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی غسل المیت، نمبر: ۱۴۹۱۔

مطلب دوم:

مسلمان آدمی کے اخلاقی پہلو پر نماز کا تربیتی اثر

مسلمان آدمی کے اخلاقی پہلو کی اصلاح میں نماز کے بہت سے اثرات ہیں جن میں سے اہم چیزیں درج ذیل ہیں:

اول: نماز مسلمان کو اللہ کے حدود پر قائم رہنے والا بنا دیتی ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿و أقم الصلاة إن الصلاة تنهى عن الفحشاء و المنكر﴾ (العنکبوت: ۴۵)

(اور نماز کی پابندی رکھئے بے شک نماز بے حیائی سے اور نا معقول کاموں سے باز رکھتی ہے)

یہ مسلمان کو اونچے اخلاق کے لئے تیار کرتی ہے اس لئے کہ وہ پورے رات دن طہارت ونظافت کا ہمیشہ اہتمام کرتا ہے، پھر وہ کھڑے ہو کر اللہ تعالی سے مناجات کرتا ہے اور دنیا کی زیب وزینت کو اپنے پیچھے چھوڑ دیتا ہے تا کہ آخرت کے لئے توشہ جمع کرے، پھر جب وہ دنیا کی طرف **لوٹتا** ہے تو وہ اس آدمی کی طرح نہیں ہوتا جو دنیا کے کیچڑ میں گھس جائے **بلکہ** وہ اسے آخرت کی دھمکی اور نوٹس سمجھتا ہے، وہ اس کی پاکیزہ روزی سے فائدہ اٹھاتا ہے تا کہ اپنے پروردگار کی عبادت پر قوت حاصل کر سکے، نہ وہ دنیا کی زیب وزینت پر بہت زیادہ خوش ہوتا ہے نہ اس کے چلے جانے یا چھن جانے سے بہت زیادہ گھبراتا ہے۔

دوم: نماز آدمی کو اچھی عادتوں کا پابند بناتی ہے، اور بری عادتوں سے بچاتی ہے، وقت کا پابند بناتی ہے، سچا مسلمان ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرتا ہے، اور وقت پر نماز ادا کرنے کا حریص

ہوتا ہے، نماز جس طرح انسان کو اوقات کے منضبط کرنے اور اپنے فرائض کو اس کے مقررہ اوقات سے موخر کرنے کا عادی بناتی ہے، اسی طرح وہ اسے شب و روز مسلسل اوقات میں ضبط نفس کا عادی بناتی ہے کہ نماز کی حالت میں وہ بات اور حرکت نہ کرے، ورنہ اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اسی بنا پر علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

''نماز میں نفس کے لئے قید خانہ ہے اور روزہ میں نفس کو شہوت سے روکنا ہے اور ایک یا دو شہوتوں کو روکنا تمام شہوتوں کو روکنے کی طرح نہیں ہے، لہٰذا روزہ دار اگر عورت اور کھانے پینے کی شہوت سے باز رہتا ہے تو دوسری تمام شہوتوں سے لطف اندوز ہونے کی گنجائش رہتی ہے، مثلاً بات چیت کرنا، چلنا پھرنا، دیکھنا اور لوگوں سے ملاقات کرنا وغیرہ، لہٰذا جس سے روکا گیا ہے اسے چھوڑ کر ان دوسری چیزوں سے تسلی حاصل کرتا ہے اور نمازی ان تمام چیزوں سے باز رہتا ہے اور اس کے تمام اعضاء وجوارح محبوس ومقید اور تمام شہوتوں سے باز رہتے ہیں۔''(۱)

لوگ جن آفتوں میں مبتلا ہوتے ہیں ان میں زبان کی آفت سب سے بڑی آفت ہے، اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا:

''وهل يكب الناس على وجوههم في النار إلا حصائد ألسنتهم''(۲)

(لوگ جہنم میں اوندھے منہ اپنی زبانوں کی کمائی (اور اس کے غلط استعمال) کی وجہ ہی سے ڈالے جائیں گے)

نماز انسان کو اس بات پر قادر بناتی ہے کہ وہ مسلسل اوقات میں نماز کے اذکار کے سوا دوسری باتوں سے باز رہنے کو اپنے اوپر لازم کر لے، تاکہ اسے حسن اخلاق کی نعمت حاصل ہو جائے کہ وہ ہمیشہ اچھی ہی بات کرے، اسی بنا پر امام مسلم نے معاویہ بن الحکم سلمی کی حدیث نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''اسی اثناء میں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ قوم میں سے ایک شخص کو

(۱) الجامع لأحکام القرآن للقرطبی۔

(۲) یہ ابن ماجہ کی روایت ہے کتاب الفتن، باب کف اللسان فی الفتنۃ۔

اچانک چھینک آ گئی تو میں نے یرحمک اللہ (اللہ تم پر رحم کرے) کہا تو لوگ مجھے ترچھی نظروں سے دیکھنے لگے تو میں نے کہا: تمہیں تمہاری ماں روئے تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم میری طرف دیکھ رہے ہو، تو وہ لوگ اپنے ہاتھوں کو اپنے زانوؤں پر مارنے لگے.. پھر جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھ لی [میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں] میں نے آپ ﷺ سے بہتر معلم نہ آپ ﷺ سے پہلے دیکھا نہ آپ ﷺ کے بعد، قسم خدا کی نہ آپ ﷺ نے مجھے ڈانٹا، نہ مارا، نہ برا بھلا کہا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس نماز میں لوگوں کے کلام کی کوئی گنجائش نہیں ہے، نماز میں تو صرف تسبیح، تکبیر اور قرآن کریم کی تلاوت ہوتی ہے۔"(۱)

سوم: نماز مسلمان کو اس بات کا حریص بناتی ہے کہ وہ ہمیشہ دوسروں کے جذبات بلکہ ان کی بشریت کی رعایت کرے، اور یہ کہ انسان کی طبیعت اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ساتھ سختی اور تشدد کا معاملہ نہ کیا جائے جب تک کہ وہ شریعت کے دائرہ سے باہر نہ ہو:

الف- جب مسلمان بھوک کی شدت وحرارت محسوس کر رہا ہو اور نماز کا وقت آجائے تو وہ نماز میں مشغول ہو کر اپنے آپ کو بھوک کی تکلیف میں مبتلا نہ کرے، بلکہ ایسے موقع کے لئے حدیث میں رہنمائی موجود ہے، مسلم نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب رات کا کھانا آجائے اور نماز کھڑی ہو جائے تو پہلے کھانا کھاؤ۔"(۲)

ب- جب کہ ظہر کی نماز یا جمعہ کی نماز میں گرمی سخت ہو تو سنت یہ ہے کہ نماز مؤخر کی جائے یہاں تک کہ گرمی کی شدت کم ہو جائے اور یہ اس لئے کہ مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں ادا کرو، اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ، ماکہرنی کے معنی ماقہرنی کے ہیں یعنی آپ ﷺ نے مجھے نہیں ڈانٹا، کہر کے معنی ڈانٹنا، ہنسنا اور کسی انسان کا ترشروئی سے استقبال کرنا ہے۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب کراہیۃ الصلاۃ بحضرۃ الطعام۔

کے سانس لینے سے ہے۔"(۱)

ج- جو شخص امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھائے اسے چاہئے کہ ممکن حد تک نماز ہلکی پڑھے تا کہ لوگ نماز سے نہ بھاگیں، اسی سلسلے میں بخاری اور مسلم حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

> "ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میں فلاں شخص کی وجہ سے صبح کی نماز سے پیچھے رہ جاتا ہوں اس لئے کہ وہ نماز لمبی کر دیتے ہیں، پس میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کوئی نصیحت کرتے ہوئے اس قدر غصہ ہوئے ہوں جتنا آپ ﷺ اس دن غصہ ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! بے شک تم میں سے کچھ لوگ نفرت دلانے والے ہیں، تم میں سے جو بھی لوگوں کی امامت کرے تو وہ مختصر نماز پڑھائے، اس لئے کہ اس کے پیچھے بوڑھے، ضعیف اور ضرورت مند لوگ ہوتے ہیں۔"(۲)

اس حدیث میں لوگوں کے جذبات، حالات اور ضروریات کی رعایت اور انہیں مشقت میں مبتلا نہ کرنے کے سلسلے میں بہت بڑا عملی سبق ہے، اسی بنا پر ہمیں رسول اللہ ﷺ نماز کے ذیل میں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ ہم کس طرح دوسروں کے جذبات کو محسوس کریں، چنانچہ بخاری کی حدیث حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> "میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں کہ لمبی نماز پڑھوں پھر میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز کو مختصر کر دیتا ہوں اس خدشے سے کہ اس کی ماں کو مشقت لاحق نہ ہو۔"(۳)

چہارم: نماز کے افتتاح (یعنی تکبیر تحریمہ اللہ اکبر) سے بھی مسلمان جانتا ہے کہ لوگوں کے درمیان اس کا کیا مقام ہے اور ان کے تئیں اس کی کیا ذمہ داریاں ہیں، یعنی وہ پہلا مسلمان ہے اور وہ

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب استحباب الإبراد بالظهر في شدة الحر۔

(۲) صحیح البخاري، کتاب الأذان، باب من شكا إمامه إذا طول، نمبر: ۷۰۲، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام۔

(۳) صحیح البخاري، کتاب الأذان، باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبي

نمونہ ہے جس کی اقتدا کی جاتی ہے اور وہ مثال ہے جس کی پیروی کی جاتی ہے اور وہ ہماری دنیا کے سب سے اعلی مقام پر پہنچ جاتا ہے اور جب پہلے مسلمانوں نے ہر نماز کے افتتاح وآغاز اور تکبیر تحریمہ کا مفہوم سمجھا تو وہ لوگوں پر حق کی شہادت دینے کے علاوہ کسی اور بات پر راضی نہ ہوئے اور ملک شام، عراق اور مصر کی طرف پیش قدمی کی پھر وہ مشرق کی طرف بڑھے یہاں تک کہ ہند اور سندھ کے شہروں تک پہنچے اور مغرب کی طرف بڑھے یہاں تک کہ مراکش تک پہنچ گئے، پھر مسلمان فاتح قسطنطنیہ آتے ہوئے ایشیاء کے ممالک پہنچے اور مغرب کی جہت سے اندلس کے فاتح کے ساتھ یوروپ کے ممالک پہنچے، اس طرح زمین اور سمندروں کے اکثر حصے میں اسلامی حکومت قائم ہوئی اور ان کے ساتھ اللہ کا وعدہ پورا ہوا۔

پنجم: جو مسلمان روزانہ کم از کم سترہ مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے وہ صاحب فضل کے فضل کو جانے گا اور سب سے پہلا اور سب سے بڑا صاحب فضل اللہ تعالی ہے، اور جس کا بھی ہم پر حق ہے ہم اس کا شکریہ ادا کریں گے، اس لئے کہ جو لوگوں کا شکریہ ادا نہ کرے وہ اللہ کا شکر ادا کرنے والا نہیں ہے، اور اسی طرح وہ بار بار اللہ تعالی کا قول: ''الرحمٰن الرحیم'' پڑھتے ہوئے اللہ کی رحمت سے ناامیدی کی قید سے نکل کر اللہ تعالی کی وسیع رحمت کی وسیع امید کی طرف آتا ہے، اور وہ ہمیشہ اپنی آخرت کے لئے عمل کرے گا اور اس سے غافل نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ ہمیشگی کا گھر ہے، دائمی نعمت کا یا ذلت والے دائمی عذاب کا، اور وہ اپنی عبادت، توکل اور مدد طلب کرنے میں مصروف ہوگا۔ یہ اللہ کے سوا کسی اور سے نہیں ہوسکتا، اور وہ ہمیشہ یہود ونصاری سے الگ اور ممتاز رہے اور ان لوگوں سے ملا ہوا ہے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین، وہ ہر ایک کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہے جس کا وہ مستحق ہے یعنی مسلمانوں کے ساتھ محبت، شفقت اور ترحم کا اور غیر مسلموں کے ساتھ بغیر کسی ظلم اور مصالحت کے اسلامی احکام جاری کرتا ہے۔

ششم: وہ مسلمان جو اپنے رب کے سامنے رکوع وسجدہ کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے وہ اس بات سے بالکلیہ انکار کرتا ہے کہ اس کی پیشانی اللہ کے سوا کسی کے سامنے جھکے، وہ کریم النفس اور خوددار ہوتا

ہے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتا، نہ مال اسے ذلیل کرتا ہے اور نہ وہ بڑے لوگوں کے سامنے جھکتا ہے اور نہ اپنے دین میں ذلت کو راہ دیتا ہے، اور خلقی اور جبلی طور پر عزت اور شرافت کے سوا کسی اور بات پر راضی نہیں ہوتا، اس لئے کہ وہ ہر سجدہ کے ساتھ اللہ رب العزت سے قرب حاصل کرتا ہے، پس وہ قوت کے ان اسباب کو دیکھتا اور محسوس کرتا ہے جس کے ساتھ وہ جابر و ظالم لوگوں کی قوت اور ظلم کو حقیر سمجھتا ہے، اسی بناپر رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''من أعطى الذلة من نفسه طائعا غير مكره فليس منا''

(جو شخص بغیر مجبوری کے اپنی خوشی سے ذلت اختیار کرلے وہ ہم میں سے نہیں ہے)

شیخ محمد غزالی لکھتے ہیں:

''عزت، خودداری اور شرافت ان نمایاں خصلتوں میں سے ہے جس کی دعوت اسلام نے دی ہے اور جنہیں سماج کے اندر زندہ کیا ہے اور ان کے مطابق عقائد اور تعلیمات جاری کر کے ان کی آبیاری کی ہے اور حضرت عمر بن الخطابؓ نے اسی حقیقت کی طرف اپنے اس قول کے ذریعہ اشارہ کیا ہے: میں اس آدمی کو پسند کرتا ہوں کہ جب اس کے ساتھ کوئی ذلت آمیز برتاؤ کیا جائے تو وہ جرأت کے ساتھ صاف لفظوں میں کہہ دے کہ نہیں (میں اسے برداشت نہیں کروں گا) مؤذن روزانہ پانچ دفعہ کیا آواز لگاتا ہے؟ وہ اذان کے شروع اور اخیر میں اللہ وحدہ لاشریک لہ کی بڑائی و کبریائی کی آواز لگاتا ہے، وہ اس تکبیر کے کلمات کو بار بار کیوں دہراتا ہے اور تمام حرکات، قیام و قعود اور رکوع و سجود میں اس کلمے کا اعادہ کیوں کرتا ہے؟ تاکہ مسلمان کو اس کا پختہ اور غیر فانی یقین ہو جائے کہ اللہ کے بعد جو بھی تکبیر کرنے والا ہے وہ جھوٹا ہے۔ تو گویا اس نداء کا مقصد یہ ہے کہ دنیا جب بھی لوگوں کو گمراہ کرے تو وہ انہیں درستگی کی طرف لوٹا دے، اسی مفہوم کی تاکید کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنی میں سے دو ناموں (عظیم اور اعلی) کو منتخب فرمایا تاکہ مسلمان اپنے رکوع وسجود کے درمیان انہیں بار بار دہرائے اور اس کی روح میں یہ بات رچ بس جائے کہ عظمت اور بلندی کا مالک صرف اللہ رب العالمین ہے۔''(۱)

(۱) خلق المسلم للشیخ محمد الغزالی/۲۰۵-۲۰۶۔

ہفتم: مسلمان نماز سے سکون ووقار سیکھتا ہے، جب کہ نماز کی اتنی زیادہ اہمیت کے باوجود اس کے لئے گھر سے تیزی کے ساتھ نکلنا اور راستے میں دوڑنا پسندیدہ نہیں ہے کہ اس سے اس کی وجاہت ومردانگی اور اس کا وقار مجروح ہوتا ہے تو نماز کے علاوہ کسی اور کام کے لئے مسلمان آدمی کا دوڑنا اس کے شایان شان نہیں ہے، بلکہ مناسب یہ ہے کہ وہ سکون واطمینان سے تمام امور کو انجام دے اور یہ اعتقاد رکھے کہ جو چیز اسے حاصل ہوگئی وہ چھوٹنے والی نہیں تھی اور جو چیز ہاتھ نہ آئی وہ ہاتھ آنے والی نہیں تھی، یہ عملی سبق ہم اس حدیث سے سیکھتے ہیں جسے بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم اقامت سنو تو نماز کی طرف چلو اور سکون ووقار کو ملحوظ رکھو اور جلدی نہ کرو جتنی نماز مل جائے پڑھلو اور جو رکعات چھوٹ جائیں انہیں بعد میں مکمل کرلو''(۱)

یہ اور اس مفہوم کی دوسری حدیث مسلمانوں کی رفتار کے لئے راستہ مقرر کرتی ہے خواہ مسجد جانے میں ہو یا کہیں اور جانے میں اور اس کا منہج اور طریقہ یہ ہے کہ وہ جسے پالے اسے حاصل کرلے اور جو چھوٹ جائے اسے مکمل کرلے۔

ہشتم: نماز سے مسلمان مرد وعورت کو یہ سبق ملتا ہے کہ واجب اور ضروری کام کو اس کے اول وقت میں ادا کرنے کی کوشش کرے، اسے اس کے مقررہ وقت سے نہ ٹالے، اور اگر اول وقت میں اس کے انجام دینے میں کوئی رکاوٹ پیش آجائے تو محض اس کے اول وقت کے فوت ہونے سے اس واجب کو نہ چھوڑے، اور یہ بات اس طرح سمجھ میں آتی ہے کہ فائتہ نمازوں کی قضا کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ اس کے فوت ہونے کے بعد سب سے پہلے جو موقع فراہم ہو اس میں اسے ادا کرے، اس لئے کہ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے:

''رسول اللہ ﷺ جب غزوہ خیبر سے لوٹے تو ایک رات سب لوگ راستے میں سو گئے اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ فجر کا انتظار کریں تو حضرت بلالؓ کھڑے ہوئے اور جتنی نماز ان

(۱) صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب المشی إلی الصلاۃ ولیأت بالسکینۃ والوقار/ ۶۳۶۔

کے لئے مقدر تھی وہ انہوں نے پڑھی اور ان پر نیند کا غلبہ ہوا، اور وہ اپنی سواری پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، پس رسول اللہ ﷺ اور حضرت بلال اور صحابہ میں سے کوئی بھی اس وقت تک بیدار نہیں ہوا جب تک کہ انہیں دھوپ نہیں لگی، رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے بیدار ہوئے، آپ ﷺ کو گھبراہٹ لاحق ہوئی پس آپ ﷺ نے فرمایا: اے بلال! تو حضرت بلال نے کہا: (اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) میری جان کو اسی ذات نے لے لیا جس نے آپ کی جان کو لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: (یہاں سے) کوچ کرو، تو صحابہ اپنی سواریوں کی نکیل پکڑ کر کچھ دور چلے، پھر رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا اور حضرت بلال کو حکم دیا تو انہوں نے اقامت کہی، پھر آپ ﷺ نے صحابہ کو صبح کی نماز پڑھائی، پھر جب آپ ﷺ نے نماز پوری کر لی تو فرمایا: ''جو شخص نماز کو بھول جائے تو جب یاد آئے اسے پڑھ لے اس لئے کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿واقم الصلاة لذكرى﴾ (طہ: ۱۴) (اور میری ہی یاد کے لئے نماز پڑھا کر)۔''(۱)

یہ حدیث اس کی وضاحت کر رہی ہے کہ آدمی کو کس حد تک اپنی فوت شدہ چیز کی تلافی کرنی چاہئے، اس واقعہ میں یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ فریضہ کی ادائیگی میں اول وقت کے فوت ہو جانے سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو کتنی سخت گھبراہٹ لاحق ہوئی، پھر رسول اللہ ﷺ کا اس جگہ سے جہاں نماز فوت ہوئی تھی نکلنا اور دوسری جگہ منتقل ہونا، چونکہ وہاں شیطان موجود تھا، پھر وضو کرنا اور نماز قائم کرنا، اس سے مسلمان یہ سبق سیکھتا ہے کہ واجب اگر اس کی گردن سے متعلق ہو تو ضروری ہے کہ وہ اسے اول وقت میں ادا کرے یا اس پہلی فرصت میں جس میں اسے اس کی ادائیگی کی قدرت ہو۔

اور اگر مسلمان یہ محسوس کرتا ہو کہ ممکن ہے کہ کوئی اہم چیز اس سے فوت ہو جائے تو وہ اس کے لئے سبقت کرے اور محض احتمال کی وجہ سے کسی کام کو نہ چھوڑے اس اصول کی طرف جو حدیث اشارہ کر رہی ہے وہ وہ حدیث ہے جسے مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں

(۱) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب قضاء الفائتة واستحباب تعجیلہ۔

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں نہیں اٹھ سکے گا تو اسے چاہئے کہ ابتدائی شب میں (یعنی عشاء کے ساتھ) وتر کی نماز پڑھ لے اور جس کو یہ امید ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں بیدار ہو جائے گا تو اس کو چاہئے کہ وہ آخر شب میں (یعنی تہجد کے بعد) وتر پڑھے، اس لئے کہ اس وقت کی نماز میں ملائکہ رحمت حاضر ہوتے ہیں اور وہ وقت بڑی فضیلت کا ہے۔''

اس طرح مسلمان خیر کی طرف سبقت کرنے اور اول وقت میں اس کو انجام دینے کا خواہش مند ہونے میں صحیح طریقہ اختیار کرتا ہے اور عمل کو اول وقت سے صرف اسی صورت میں مؤخر کرتا ہے جب یہ تاخیر خود اس عمل کے لئے مفید ہو، اور اگر اسے اس میں شک ہو تو بہتر یہ ہے کہ وہ اسے فوری طور پر اس کے وقت میں ادا کرے۔

نہم: نماز کی مشروعیت اجتماعی تربیت میں معاون ہے، اس لئے کہ جو مسلمان اپنے بھائیوں کو مسجد میں الفت ومحبت کے ساتھ تکبر اور فخر وغرور سے خالی ہو کر ملتے ہوئے دیکھتا ہے، بلکہ جماعت کی نمازوں میں اور علم وذکر کے حلقوں میں وہ اپنے بچپن سے مسلمانوں کو ایک صف میں دیکھتا ہے کہ وہ گہری محبت کے ساتھ ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے نمازوں میں اور نمازوں کے بعد دعا کرتے ہیں، یہ اس اجتماعی اور اخلاقی تربیت کی اہم بنیاد ہے جو منفی ذہنیت، خود غرضی اور انفرادیت کی نفی کرتی ہے اور انفرادیت کے نتیجے میں جو امراض پیدا ہوتے ہیں ان کا بھی ازالہ کرتی ہے، یعنی لوگوں سے ڈرنا اور شرمانا، ان سے بغض وحسد رکھنا، ان کے ساتھ اختلاط کو ناپسند کرنا اور ان سے بات چیت کرنے میں زبان کا بند ہو جانا وغیرہ۔

مطلب سوم:

مسلمان آدمی کے اخلاقی پہلو پر زکاۃ کا تربیتی اثر

مال کو نکال کر اس کے مستحق افراد تک پہنچانے کا نام زکاۃ ہے، مال روح کا سگا بھائی ہے اور نفس انسانی میں فطری طور پر اس کی محبت اور اسے جمع کرنے کی خواہش ودیعت کی گئی ہے لیکن اس کے خرچ کرنے میں مسلمان کے اخلاق کی اصلاح میں مختلف پہلوؤں سے اس کا بڑا گہرا اثر مرتب ہوتا ہے، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

اول: نفس کو بخل جیسی سنگین اور بدترین بیماری سے محفوظ رکھنا ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ومن یوق شح نفسه فأولئک هم المفلحون﴾ (التغابن: ۱۶)

(اور جو کوئی اپنے نفسانی بخل وحرص سے بچالیا گیا تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)

یہ بخل جس کی وجہ سے انسان اللہ کے غضب اور مخلوق کی عداوت کا نشانہ بنتا ہے زکوۃ وصدقات کے ذریعہ اس کا مکمل علاج اور خاتمہ ہوجاتا ہے، اس لئے کہ وہ اسے اللہ کے عذاب کے خوف سے ہمیشہ خرچ کرنے کا عادی بناتی ہے، خواہ بادل ناخواستہ ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ بندہ اپنے نفس سے مسلسل جہاد کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے لئے اس کی قیادت آسان ہوجاتی ہے اور اس کا لگام اس کے لئے نرم ہوجاتا ہے اور وہ خرچ کرنے کی جگہوں میں خرچ کرنے سے باز نہیں آتا اور اقدام کی جگہوں میں اقدام سے پیچھے نہیں ہٹتا اور اسے اس مبارک عمل پر قرآن کریم کی وہ آیات آمادہ کرتی ہیں جن میں مال خرچ کرنے کا ذکر ہے، خواہ صدقات نافلہ کے سلسلے میں اس کا ذکر ہو یا زکاۃ کے سلسلے میں، قرآن کریم میں ایک سو چھتیس (۱۳۶) دفعہ انفاق کا ذکر آیا ہے، جن میں سے تینتیس (۳۳) جگہ براہ راست

خرچ کرنے کا حکم ہے، اور باقی جگہوں میں اس پر ابھارا گیا ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے۔[1]

یہ نصوص اس کثرت سے وارد ہیں کہ وہ مسلمان آدمی کو اس پر آمادہ کرتی ہیں کہ وہ بخل کے مرض کو چھوڑ دے اور فیاضی، فراخ دلی اور رضامندی سے مال خرچ کر کے ثواب حاصل کرے اور اس کے روکنے پر اللہ کا جو غضب نازل ہوتا ہے اس سے بچ سکے۔

دوم: زکاۃ کی برکت سے اگر ایک طرف خرچ کرنے والے مال دار کے دل سے بخل وحرص کا مرض دور ہوتا ہے تو دوسری طرف زکاۃ کا مال لینے والے فقیر کے دل سے بغض وحسد کا مرض زائل ہوتا ہے، بغض وحسد کا وہ مرض جس کی بنا پر فقیر ہر مالدار کو غیظ وغضب اور حسد وعداوت کی نظر سے دیکھتا ہے کہ اللہ تعالی نے اس کو عطا کیا ہے اور مجھے محروم رکھا، اور ناگواری کی نظر سے دیکھتا ہے کہ وہ اپنے مال میں کا کچھ حصہ اسے کیوں نہیں دے دیتا کہ وہ اس سے اپنی کمر سیدھی کرے، اپنے کپڑے میں پیوند لگائے اور اپنے جسم کے ضعف ونقاہت اور لاغری وپژمردگی کا علاج کرے اور اپنی اولاد کی کفالت کرے؟ بغض وحسد کا یہ مہلک مرض اگر مسلم معاشرہ میں بلکہ کسی بھی معاشرہ میں بڑھ جائے تو وہ اس کی تباہی وبربادی کا سبب بنتا ہے، یہ فقیر اس طرح زندگی گذارتا ہے کہ خوش حال طبقہ کی طرف سے اس کا دل بغض وحسد کے جذبات سے پر ہوتا ہے اور اس میں عداوت ونفرت کی آگ دہک رہی ہوتی ہے جو فریقین کے لئے اور ان کے اخلاق کے لئے سم قاتل اور مرض مہلک ہے، لیکن اگر وہ زکاۃ دے کر اس کے ساتھ خیر خواہی اور بھائی چارگی کا معاملہ کرے اور شفقت ومحبت سے پیش آئے تو وسائل زندگی سے محروم اس طبقہ کے دل میں مالداروں کے تئیں الفت ومحبت اور بھائی چارگی کی روح پیدا ہوتی ہے اور ان کا سینہ نفرت وعداوت اور غل وغش سے پاک ہوتا ہے اور اگر اللہ تعالی اسے دولت وثروت سے نواز دے تو وہ بھی سماج کے حاجت مند اور نادار افراد کی طرف مدد کا ہاتھ بڑھاتا ہے، اس لئے کہ غربت وافلاس اور محتاجی کی حالت میں جس خوش حال بھائی نے اس کی مدد کی اس کے نتیجہ میں اسے اپنے

(۱) سلطۃ ولی الأمر فی فرض وظائف مالیۃ، مؤلفہ صلاح الدین سلطان، ۱۸۰-۱۸۳، قرآن کریم میں زکاۃ یا عام انفاق کے سلسلے میں جو حکم ہے اس کا تجزیہ اور شمار اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

مقابلہ میں دوسرے ضرورت مندوں کی ضرورت کا احساس زیادہ ہوتا ہے اور یہ پر امن بقائے باہم ایسی عظیم نعمت ہے جس کی تعبیر بوسینیا کے صدر علی عزت بیجوفیش نے اپنے اس قول سے کی ہے:

''بے شک اسلام کا مقصد مالداروں کو ختم کرنا نہیں ہے بلکہ فقر وفاقہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا ہے۔''(۱)

سوم: زکاۃ کا قانون مسلمان کو عفت وپاکدامنی اور عزت نفس کی تعلیم دیتا ہے، اس سلسلے میں وہ حدیث ہے جسے امام مالک اور امام بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی شخص اپنی رسی لے اور لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے (اور اس کو فروخت کر کے اپنی ضرورت پوری کرے) تو یہ اس سے بہتر ہے کہ کسی سے جا کر سوال کرے، وہ اسے دے یا نہ دے۔''(۲)

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں یہ روایت نقل کی ہے:

''دو شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ سے صدقہ مانگا تو آپ ﷺ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو محسوس کیا کہ وہ دونوں توانا وتندرست ہیں تو آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمہیں دے دوں، لیکن (سن لو) صدقہ میں کسی مالدار یا کسی کمانے والے طاقت ور آدمی کا کوئی حصہ نہیں ہے۔''(۳)

یہ نصوص مسلمان کو مال زکاۃ سے دامن بچانے کی صفت سے متصف کرتے ہیں، پس وہ مال عام (صدقات) یا مال خاص (زکاۃ) کا لالچی نہیں ہوتا، بلکہ وہ ہر ایسے جائز عمل کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے جو اسے سوال کی ذلت سے محفوظ رکھ سکے بلکہ وہ اس کی پوری کوشش کرتا ہے کہ اپنے آپ کو فائدہ پہنچائے یا دوسروں پر صدقہ کرے تاکہ دینے میں اس کا ہاتھ اونچا رہے اور بھیک مانگنے میں نیچا نہ رہے۔

---

(۱) الاسلام بین الشرق والغرب، علی عزت بیجوفیتش، ۱۹۷۔
(۲) صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب الاستعفاف عن السوال، نمبر: ۱۴۷۰۔
(۳) سنن الدارقطنی، کتاب الزکاۃ، باب لاتحل الصدقۃ لغنی ۲/۱۱۹، المسند ۴/۲۲۴۔

چہارم: زکاۃ آدمی کو جود وکرم، بذل وسخا، عطاء ونوال اور ایثار وقربانی کے پاکیزہ اخلاق سے متصف کرتی ہے اس کی وہ حالت نہیں ہوتی ہے کہ کسی فقیر اور محتاج کو دیکھ کر اس کی آنکھ پتھرا جائے اور دل مضطرب ہوجائے اس اندیشہ سے کہ کہیں اسے اس کا حق نہ دینا پڑے جس کے نتیجہ میں اس کا مال کم ہوجائے اور اس کی دولت گھٹ جائے، بلکہ اسے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے خرچ کرنے کی صورت میں بدل عطا کرنے اور زیادہ دینے کا اپنے اس فرمان میں وعدہ فرمایا ہے:

﴿وما أنفقتم من شيء فهو يخلفه وهو خير الرازقين﴾ (سبا: ۳۵)

(اور تم جو چیز بھی خیرات کروگے اللہ تم کو اس کا عوض عطا فرمائے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے)

لہذا اس کی سخاوت بڑھ جاتی ہے اور اس کی بخشش ونوازش مسلسل جاری رہتی ہے اور یہ امید اور کامل یقین اسے خرچ کرنے پر آمادہ کرتا ہے کہ اللہ تعالی اس کے رزق میں برکت دے گا اور اپنی بخشش میں اضافہ کرے گا، اس لئے کہ وہ اللہ تعالی کے ساتھ ہمیشہ خرچ کرنے کی عادت پر قائم رہتا ہے، سیدنا حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ بہت بڑے سخی اور فیاض تھے، جب ان سے اس بے مثال جود وسخا کا فلسفہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

''اللہ تعالی نے مجھے ایک چیز کا عادی بنا دیا ہے اور میں نے اللہ تعالی کو ایک شئی کا عادی بنا دیا ہے، پس میں اللہ کے ساتھ اپنی عادت کو نہیں چھوڑوں گا ورنہ اللہ میرے ساتھ اپنی عادت کو بدل دے گا۔''

ان کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالی نے رزق کی کشادگی اور فراوانی دے کر انہیں زیادہ خرچ کرنے کا عادی بنادیا ہے لہذا وہ خرچ کرنا نہیں چھوڑیں گے ورنہ اللہ کی عطا کی ہوئی کشادہ روزی کا سلسلہ بھی بند ہوجائے گا۔

پنجم: زکاۃ انسان کے اندر دوسروں کی محبت اور ان کی ضرورت کا احساس پیدا کرتی ہے اور اجتماعی تربیت کے لئے تیار کرتی ہے اور دوسروں کے بارے میں جانکاری حاصل کرنے، ان کے

حالات کی تفتیش کرنے، ان کی مدد کے لئے اٹھنے اوران کی کفالت کے لئے کوشش کرنے کا رجحان پیدا کرتی ہے قرآن کریم نے ہماری توجہ اس جانب مبذول کی ہے کہ ہم عمومی شکل یا ظاہری طور پر سوال سے احتراز کرنے کا خیال واعتبار کئے بغیر لوگوں کی ضروریات کی تحقیق کریں، اس وقت یہاں ایسے فقراء بھی ہیں جن پر قرآن کریم کی بیان کردہ یہ تعریف صادق آتی ہے کہ جو شخص ان کے حال سے ناواقف ہے وہ انہیں ان کے سوال سے باز رہنے اور نہ مانگنے کی وجہ سے مالدار سمجھتا ہے، آپ انہیں ان کی نشانی سے پہچان لیں گے، وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے:

﴿يحسبهم الجاهل أغنياء من التعفف تعرفهم بسيماهم لا يسألون الناس إلحافا﴾ (البقرہ: ۲۷۳)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

''کبھی انسان اپنی کمائی کے ساتھ ایک درہم سے بھی مالدار ہو جاتا ہے اور کبھی اپنے ضعف ومجبوری اور کثرت عیال کی وجہ سے ہزار درہم ہونے کے باوجود بھی فقیر رہتا ہے۔''(۱)

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تجسس سے کام لیا جائے اور لوگوں کی خفیہ باتوں کی ٹوہ میں رہا جائے، بلکہ صرف ان کی حاجتوں کا پتہ چلایا جائے اور قبل اس کے کہ فقر وفاقہ ان پر اپنا پنجہ گڑائے یا بھیک مانگنے پر مجبور کرے انہیں دے کر بے نیاز کر دیا جائے۔

---

(۱) فتح الباری ۳؍۳۰۷۔

مطلب چہارم

مسلمان آدمی کے اخلاقی پہلو پر روزہ کا تربیتی اثر

روزہ انسان کو مہذب اور شائستہ بنانے اور نفس کو مکارم اخلاق سے آراستہ کرنے کا پابند بنانے میں خاص دخل ہے، اس کی وضاحت درج ذیل پہلوؤں سے ہوتی ہے:

اول: روزہ مکلف انسان کا صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے، پینے، جماع کرنے اور استمناء (منی خارج کرنے) سے نیت کے ساتھ رکے رہنے کا نام ہے، یہ ان غالب شہوتوں کو جامع ہے جو نفس کو رزائل کے گڑھے میں گرا دیتی ہے، اسی بنا پر علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

''روزہ کا مقصد نفس کو شہوتوں سے روکنا اور مرغوبات و مالوفات سے چھڑانا ہے اور اس کی شہوانی قوت کے اندر اعتدال اور توازن پیدا کرنا ہے، تاکہ ان چیزوں کی طلب و استعداد پیدا ہو جن کے اندر انسان کی حد درجہ سعادت و خوش بختی کا راز پنہاں ہے، نیز یہ کہ نفس انسانی کے اندر ان امور کو قبول کر لینے کی صلاحیت پیدا ہو جائے جو اسے پاک وصاف کر دینے والے ہیں اور جن پر نفس کی حیات سرمدی کا دارومدار ہے، بھوک اور پیاس دراصل نفس کی حدت کو توڑ کر یاد دلاتی ہے کہ ان فاقہ مستوں کا کیا حال ہے جو ہمیشہ بھوک پیاس کی جلتی ریت پر تپتے رہتے ہیں، ماکولات و مشروبات کی گذرگاہوں کے تنگ ہو جانے سے بندہ کی شیطانی گذرگاہیں بھی تنگ ہو جاتی ہیں، فطری طور پر اعضاء کی طاقتیں دنیا و آخرت کے مضرت رساں مرغزاروں میں داخل ہونے سے گریز کرتی ہیں، انسان کے ہر عضو اور ہر طاقت کے اندر سرکشی کا جو مادہ موجود ہے بھوک اور پیاس اسے

ساکت کر دیتی ہے اور اسے ایک لگام لگا دیتی ہے، گویا یہ متقیوں کی لگام، مجاہدوں کی ڈھال، اور نیکوکار و مقرب بندوں کی ریاضت ہے، گویا اللہ کی محبت و خوشنودی میں نفس کے تمام لذائذ و مرغوبات کو ترک کر دینے کا نام روزہ ہے ظاہری اعضاء و جوارح اور باطنی قوتوں کی حفاظت میں نیز ان اعضاء وقوی کو ایسے اختلاط سے مامون رکھنے میں روزہ کو کمال حاصل ہے جو فاسد مواد کے موجب ہوتے ہیں، یہ فاسد مادے اگر مسلط ہو گئے تو اعضاء وقوی کے اندر فساد پیدا ہو جانا لازمی ہے۔ (۱)

دوم: روزہ مسلمان آدمی کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کے درمیان مضبوط رکاوٹ قائم کر دیتا ہے، پس اگر انسان اپنے نفس پر غالب آجائے اور اسے ایسی چیزوں سے جو اصل میں حلال ہیں متعین وقت میں عزم وارادے کے ساتھ اور اللہ کی مدد سے روکے رکھے تو بلاشبہ اسے ہر وقت حرام چیزوں سے باز رکھنے پر زیادہ قدرت حاصل ہوگی، اور یہ اس لئے کہ انسان کا حرام پر اصرار کرنا مستحکم خواہش، حیران نفس اور غالب شہوت کے نتیجہ میں ہوتا ہے اور روزہ پورے ایک ماہ اور نفلی طور پر پورے سال ان شہوتوں سے باز رکھ کر نفس اور اس کی خواہشات سے جنگ کرتا ہے۔

سوم: اسی بنا پر جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''جو شخص جھوٹی بات بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔'' (۲)

اور رسول اللہ ﷺ ہمیں مطلع فرماتے ہیں کہ مسلمان مرد وعورت کے اخلاق کی اصلاح میں روزہ کا کیا اثر ہے، چنانچہ ابن ماجہ کی حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) زاد المعاد ۱/ ۳۱۱۔

(۲) بخاری، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور والعمل بہ فی الصوم، نمبر: ۱۹۰۳۔

”جب تم میں سے کسی کے روزہ کا دن ہوتو وہ فحش کلام ار جہالت کی بات نہ کرے اور اگر کوئی اس سے جاہلانہ بات کرے تو اسے یہ کہہ دینا چاہئے کہ میں روزے سے ہوں۔“(۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ میں روزہ دار آدمی ہوں اس لئے یہ بات میرے شایان شان نہیں ہے کہ میں سیدھی راہ سے منحرف ہوں، طیش میں آؤں، اپنی زبان کا بے جا استعمال کروں، آواز بلند کروں یا کوئی قبیح کلام کروں، بلکہ روزہ انسان کے نفس کو جہالت کا عمل کرنے یا پیٹ اور شرم گاہ کی شہوت کا ساتھ دینے سے روکتا ہے اور یہ نفس کو مہذب اور شائستہ بنانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

چہارم: روزہ انسان کو عادت کی قید سے آزاد کر دیتا ہے، چنانچہ جو شخص دن کے ابتدائی حصے یا آخری حصے میں کھانے کا عادی ہوتا ہے اور ظہر کے وقت کم یا زیادہ کھانے کا عادی ہوتا ہے اور نشاط پیدا کرنے والی چیزیں یعنی چائے، قہوہ وغیرہ پینے کا عادی ہوتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ ان عادات کو چھوڑ نہیں سکے گا لیکن جب ماہ صیام آتا ہے یا نوافل روزے رکھتا ہے تو یہ روزہ اس عادت کو ختم کر دیتا ہے اور اسے اس طرح کے قید و بند اور عادت کی غلامی سے آزاد کر دیتا ہے، اس میں انسانیت کی تکریم ہے، یہ وہ انسان نہیں ہے جو کھانے پینے کا ایسا مشتاق ہوتا ہے کہ وہ اس کے جذبات پر حاوی ہو جائے، بلکہ وہ ناشتہ کے وقت کو بدل دیتا ہے اور یہ ناشتہ فجر سے کچھ قبل سحری کی صورت میں ہوتا ہے، اور وہ دن بھر کے کھانے پینے کے معمول کو بدل دیتا ہے اور یہ کھانا پینا اب مغرب کے بعد ہوتا ہے، اس طرح مسلمان اللہ رب العزت کی بندگی اور غلامی کے سوا ہر چیز کی غلامی سے نکل جاتا ہے۔

پنجم: روزہ انسان کو بخل وحرص جیسی مہلک اور لاعلاج بیماری سے آزاد کر دیتا ہے، اسی سلسلہ میں مسلم کی حدیث حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب فضل الصوم، نمبر: ۱۸۹۴، الجامع الصحیح للإمام الربیع بن حبیب، نمبر: ۳۳۰۔

''ظلم سے بچو، اس لئے کہ ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کی شکل میں ظاہر ہوگا، اور بخل سے بچو، اس لئے کہ بخل نے تم سے پہلی امتوں کو ہلاک کیا ہے، اس نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ایک دوسرے کا خون بہائیں اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرلیں۔''(۱)

اور امام احمد نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جنت میں نہ دھوکہ باز آدمی داخل ہوسکتا ہے نہ بخیل نہ احسان جتلانے والا۔''

اور طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اس میں پھلوں کو لٹکا دیا اور اس میں نہریں جاری کردیں، پھر اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: بولو، تو اس نے کہا: مومن لوگ کامیاب ہوگئے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری عزت اور میرے جلال کی قسم تجھ میں کوئی بخیل میرے پڑوس میں نہیں رہ سکے گا۔''

اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''سخی اللہ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے، جہنم سے دور ہے اور بخیل اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے اور سخی جاہل اللہ کے نزدیک بخیل عابد سے زیادہ پسندیدہ ہے۔''(۲)

اور روزہ اس لاعلاج بیماری کا بہت سے وسائل کے ذریعہ علاج کرتا ہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

الف-مسلمان کو روزہ داروں کو روزہ افطار کرانے پر ابھارنا، اس لئے کہ حضرت سلمان فارسیؓ کی حدیث ہے:

''جس نے اس مہینے میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے)

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم الظلم۔

(۲) سنن الترمذی، کتاب البر، باب ماجاء فی السخاء، ۲۰۲۷۔

افطار کرایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے، صحابہ نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا (تو کیا غرباء اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو ایک کھجور پر یا پانی کے ایک گھونٹ پر یا دودھ کی تھوڑی سی لسی پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرادے۔"(۱)

اس معمولی سے عطیہ پر یہ عظیم اجر وثواب مسلمان آدمی کے اندر مال خرچ کرنے اور جود وسخا کا داعیہ پیدا کرتا ہے، اگر آدمی کا نفس زیادہ خرچ کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو تو بتدریج تھوڑا تھوڑا خرچ کرنے سے زیادہ خرچ کرنے کی عادت پڑ جائے گی اور شاید کہ روحانی پاکیزگی سخاوت کی صفت سے متصف ہونے کا قوی ذریعہ ہوگی۔

ب- اس ماہ مبارک میں جہنم کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور سرکش شیاطین قید کردئے جاتے ہیں اور یہ ندا لگائی جاتی ہے کہ اے خیر کے طالب آگے بڑھ اور اے شر کے طالب رک جا (باز آجا)، یہ تمام چیزیں بخل وحرص اور تنگ دلی کے مرض پر غالب آنے میں مسلمان کی مدد کرتی ہیں، چنانچہ وہ اس حال میں خرچ کرتا ہے کہ جود وسخا سے باز رکھنے والی چیزوں سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔

ج- نبی کریم ﷺ کی اتباع واقتداء کی محبت، اس لئے کہ بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے:

"نبی کریم ﷺ خیر کی بخشش اور خلق اللہ کی نفع رسانی میں اللہ کے سب بندوں سے فائق تھے اور رمضان المبارک میں آپ کی یہ کریمانہ صفت اور زیادہ ترقی کر جاتی تھی جبکہ جبرئیل امینؑ آپ سے ملتے تھے.. تو جب جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملتے تو آپ ﷺ کی اس

(۱) الترغیب والترہیب للمنذری ۲/ ۶۷، اور انہوں نے اس کی نسبت صحیح ابن خزیمہ کی طرف کی ہے۔

کریمانہ نفع رسانی اور خیر کی بخشش میں اللہ کی بھیجی ہوئی ہواؤں سے بھی زیادہ تیزی آجاتی اور زور پیدا ہو جاتا۔"(۱)

د- رمضان میں صدقۃ الفطر کی ادائیگی نماز عید کی ادائیگی سے قبل تک رمضان کی اہم عبادتوں میں سے ہے جس سے بخل کے مرض کا علاج ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ مالدار اور فقیر، بڑے اور چھوٹے، آزاد اور غلام سب پر فرض ہے، حتی کی وہ بچہ جو نماز عید سے قبل پیدا ہوا ہو اس کے ولی پر اس کی طرف سے صدقۂ فطر کی ادائیگی ضروری ہے(۲) اس سے تمام لوگوں کے اندر مال خرچ کرنے اور داد و دہش کی روح پروان چڑھتی ہے، اسی بنا پر ابن ماجہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے:

"نبی کریم ﷺ نے صدقۂ فطر کو فرض کیا ہے کہ وہ روزہ دار کے لغو و لایعنی اور بے حیائی کی باتوں کے لئے کفارہ ہو اور اس سے مساکین کے کھانے کا انتظام ہو، تو جو شخص اسے نماز عید سے قبل ادا کرے تو وہ صدقۂ فطر ہے اور جو شخص اسے نماز کے بعد ادا کرے تو وہ (عام) صدقات میں سے ایک صدقہ ہے، اور امام احمد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایک صاع گندم ہے، ہر بڑے چھوٹے، آزاد، غلام، مرد، عورت، مالدار اور فقیر پر، تو جو مالدار ہے اللہ اس کی برکت سے اسے (گناہوں سے) پاک کر دے گا اور جو تم میں سے فقیر ہوگا اسے اللہ اس کے خرچ کئے ہوئے سے زیادہ مقدار میں لوٹا دے گا۔"(۳)

اس سے بڑھ کر اور کیا بلندی ہوگی کہ مالدار فقیر کو دے اور فقیر فقیر کو دے، اور یہ کہ صدقہ کے فریضہ کا تعلق یہاں پر امت اسلامیہ کے ہر چھوٹے بڑے فرد سے ہو؟ یہ سخاوت کا سب سے بڑا دروازہ ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب أجود ما کان النبی ﷺ یکون فی رمضان، نمبر: ۱۹۰۲۔
(۲) کتاب شرح النیل لاطفیش ۳/۲۸۹-۲۹۴۔
(۳) الترغیب والترہیب للمنذری ۲/۱۰۰۔

ششم: روزہ مسلمان آدمی کو عفت وطہارت کے اخلاق کا عادی بناتا ہے اور اس سے نفس کے خطرات وخیالات اور شہوتوں کے ہیجان اور اشتعال کو دور کرتا ہے، اسی بناپر شہوت پر قابو پانے کے لئے روزہ رکھنا مستحب ہے تاکہ شرم گاہ کی شہوت اسے اپنا غلام نہ بنالے اور محرمات کے پیچھے دوڑنے میں اپنے دیدہ کا پانی زائل نہ کرے اور پاک دامن عورتوں کی عصمت دری کرکے انہیں فحش کاری اور بے حیائی کا عادی نہ بنائے یا اپنی طرف مائل ہوکر استمنا (منی خارج کرنے) کے سمندر میں غرق نہ ہو جس کی وجہ سے اس کے اندر شہوت کا مقابلہ کرنے والی قوت کمزور پڑجائے اور اس کی نفسیاتی الجھنوں میں اضافہ ہوجائے اور اسے خود اعتمادی کے جوہر سے محروم کردے، اسی بناپر علامہ ابن حجر نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث:

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شخص شادی کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہئے کہ شادی کرلے، اس لئے کہ یہ نگاہوں کو پست رکھنے والی اور شرم گاہ کو محفوظ رکھنے والی چیز ہے اور جو شخص اس کی قدرت نہ رکھتا ہو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے اس لئے کہ روزہ اس کی شہوت کو توڑنے والی چیز ہے۔''

علامہ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''روزہ میں اصل شہوت کو توڑنا ہے، اس لئے کہ زیادہ کھانے پینے سے شہوت میں طغیانی اور بے اعتدالی پیدا ہوتی ہے اور روزہ شرم گاہ اور نگاہ کی شہوت کو ختم کرنے والا ہے۔ اس حدیث سے استمنا بالید کی حرکت پر استدلال کیا جاتا ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے نکاح سے عاجز ہونے کی صورت میں روزہ رکھنے کی طرف رہنمائی فرمائی جو شہوت کو دفع کرنے والا ہے تو اگر استمنا جائز ہوتا تو اس کی طرف رہنمائی کرنا زیادہ آسان ہوتا۔(۱)''

اور چونکہ استمناء روزہ کو فاسد کرنے والی چیزوں میں سے ہے، اس لئے اگر کوئی مرد یا عورت جان بوجھ کر ایسا کرے تو وہ گنہ گار ہوگا اور اگر وہ اس کی قضا میں زندگی بھر روزہ رکھے پھر بھی

---

(۱) فتح الباری ۹/ ۱۲-۱۴۔

کافی نہ ہوگا، اور جو شخص شادی شدہ ہے تو اسلام اس کی جماع کی شہوت کو مہذب کرتا ہے تاکہ وہ مرد وعورت کو شرم گاہ کی شہوت کی قید سے آزاد کردے، چنانچہ وہ رمضان میں میاں بیوی کے درمیان دن بھر حائل رہتا ہے اور معتکف پر (رات میں بھی) بیوی سے جماع کرنے کو حرام کر دیتا ہے، اور جو شخص رمضان کے دن میں بیوی سے جماع کر لے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ مسلسل دو ماہ تک روزہ رکھے اس طرح مسلسل دو ماہ تک اسے دن میں بیوی سے محروم رکھا گیا، اور اگر اسے مسلسل دو ماہ روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہوتو وہ ساٹھ مسکین کو کھانا کھلائے، تاکہ اس ماہ مبارک کے احترام میں اس سے جو زیادتی سرزد ہوئی اس کا کفارہ ہو جائے اور اس جرم کا تاوان ادا کرے کہ وہ اپنے نفس پر قابو پا کر اپنی شہوت کو روک نہ سکا، اور جو شخص اللہ کے عذاب سے نہ ڈرے اسے اس سے باز رکھنے کا یہ موثر ذریعہ ہے۔

ہفتم: اگر انسان کے باطن کی عفت اس کی شرم گاہ میں ہے تو زبان کی پاکیزگی اس کی ظاہری عفت کی ایک علامت ہے اور روزہ انسان کی زبان کی آفات کا علاج کرتا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ اپنی شرم گاہ اور زبان کی حفاظت کر لے تو رسول اللہ ﷺ اس کے لئے جنت کے ضامن بن جاتے ہیں، اسی بناپر رسول اللہ ﷺ ہماری توجہ اس طرف مبذول فرماتے ہیں کہ جو شخص باطل کلام اور باطل کام نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں، پس روزہ دراصل تمام اعضاء وجوارح کا روزہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ روزہ دار انہیں کسی ایسے کام میں استعمال نہ کرے جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے، رمضان کے اندر اعتکاف میں مسنون یہ ہے کہ آدمی جائز باتیں بھی کم کرے، یہ اس زبان کی آفتوں سے سلامت رہنے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے جو زبان کا بے جا استعمال کر کے لوگوں کی عزت وآبرو پر حملہ کرے، یا جھوٹ بولے، یا ناپسندیدہ طریقے پر لڑائی جھگڑا کرے یا جھوٹی قسمیں کھائے یا اس کے علاوہ کوئی غلط اور نامناسب حرکت کرے تو اس کا روزہ برباد اور منتشر غبار کے مانند ہو جائے گا اور یہ اس لئے کہ ابو داؤد نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ایک دن کے روزہ رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب تک میں اجازت نہ دوں اس وقت تک کوئی شخص افطار نہ کرے، چنانچہ لوگوں نے روزہ رکھا، یہاں تک کہ جب شام ہوئی تو ایک ایک آدمی آکر کہنے لگا: یا رسول اللہ! میں دن بھر روزہ رہا آپ ﷺ مجھے افطار کرنے کی اجازت دیجئے تو آپ ﷺ ایک ایک آدمی کو اجازت دیتے گئے، یہاں تک کہ ایک شخص نے آکر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ کے خاندان کی دولڑکیاں روزے سے ہیں اور وہ آپ کے سامنے آنے سے شرم محسوس کررہی ہیں، لہٰذا آپ انہیں اجازت دے دیجئے کہ وہ افطار کرلیں، آپ ﷺ نے اس سے اعراض فرمالیا تو انہوں نے دوبارہ آکر سوال کیا آپ ﷺ نے دوبارہ اعراض فرمالیا، اس نے تیسری بار سوال کیا، آپ ﷺ نے پھر اعراض فرمالیا، اس نے چوتھی بار سوال کیا، آپ ﷺ نے پھر اعراض فرمالیا اور فرمایا: ان دونوں نے روزہ نہیں رکھا، اور وہ شخص کیوں کر روزہ دار ہوسکتا ہے جو دن بھر لوگوں کا گوشت کھاتا رہا ہو؟ تم جاؤ اور ان دونو ں لڑکیوں سے کہو کہ اگر وہ روزہ دار تھیں تو قئی کریں، چنانچہ اس شخص جا کرانہیں اس کی خبر دی، تو ان دونوں نے قئی کیا تو منجمد خون کی قئی کی، چنانچہ اس شخص نے جا کر رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر یہ چیز ان دونوں کے پیٹ میں باقی رہ جاتی تو ان دونوں کو جہنم کی آگ کھالیتی۔''

اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے:

''ان دونو ں میں سے ایک نے خون اور پیپ کی قئی کی یہاں تک کہ اس نے آدھے پیالے کو بھر دیا اور دوسری نے خون، پیپ اور تازہ گوشت کے ٹکڑے قئی کئے، یہاں تک کہ اس نے پیالے کو بھر دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں لڑکیوں نے اس چیز سے تو روزہ رکھا جسے اللہ نے حلال کیا ہے اور اس چیز پر افطار کیا جسے اللہ نے ان پر حرام کیا

ہے یعنی لوگوں کی غیبت کی)ان میں سے ایک دوسری کے پاس جا کر بیٹھ گئی اور دونوں مل کر لوگوں کے گوشت کھانے لگیں۔"(۱)

اور المستخلص فی تزکیۃ الأنفس کے مصنف نے اس شخص کو جو روزہ میں حلال سے رکے اور حرام کا ارتکاب کرے اس شخص سے تشبیہ دی ہے جو ایک محل تعمیر کرے اور شہر کو ویران کردے اور اس شخص سے تشبیہ دی ہے جو دوا کھانے سے پرہیز کرے پھر زہر قاتل کو غٹ غٹ پی جائے۔(۲)

دوم: حج کے احکام میں ایسی چیزیں ہیں جو تمام اعضاء وجوارح اور نفس انسانی میں موجود تمام قوی جذبات وخواہشات پر اس غلبے اور تسلط کو مستحکم کرنے میں مدد دیتی ہیں، یعنی وہ مالی سزائیں جنہیں اللہ تعالی نے یا اللہ کے رسول ﷺ نے ممنوعات احرام میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرنے یا واجبات حج میں سے کسی واجب کو ترک کرنے کی صورت میں فرض کیا ہے، ان ہی میں سے درج ذیل امور ہیں:

۱۔ جو شخص بغیر احرام کے میقات سے آگے بڑھ جائے اس پر دم واجب ہے۔

۲۔ جو شخص بوسہ لے اور انزال نہ ہو تو اس پر دم ہے، اور جو شخص شرم گاہ کے علاوہ کہیں اور وطی کرے اور انزال نہ ہو تو اس پر دم ہے اور جو شخص عورت کی شرم گاہ میں وطی کرے تو ان دونوں کا حج باطل ہو جائے گا، اور اگر عورت نے مرد کی اطاعت کی ہو تو ان دونوں پر بڑے جانور (مثلاً اونٹ) کی قربانی واجب ہوگی اور اگر عورت نے مرد کی اطاعت نہ کی ہو اور مرد اس کے نفس پر غالب آ گیا ہو تو بھی مرد کے ساتھ عورت کا حج فاسد ہو جائے گا اور صرف مرد پر بدنہ (بڑے جانور) کی قربانی واجب ہوگی۔

۳۔ جو شخص خشکی میں کسی شکار کو قتل کرے یا حرم میں کسی چیز کو قتل کرے یا کسی شکار کی طرف کسی محرم کی رہنمائی کرے تا کہ وہ اسے شکار کر لے تو اس پر دم واجب ہے۔

---

(۱) المسند ۴/ ۵۰۱۔

(۲) المستخلص فی تزکیۃ الأنفس، لسعید حوی/ ۶۳۔

۴- جو شخص کچھ بالوں کو اکھاڑ دے یا مونڈ دے تو اس پر ہر بال کے بدلے صدقہ ہے اور اگر چار بالوں سے تجاوز کر جائے تو خواہ اس نے جان بوجھ کر بال مونڈا ہو یا غلطی سے تو اس پر تین دنوں کا روزہ رکھنا ہے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یا ایک بکری ذبح کرنا ہے۔

۵- جو شخص جان بوجھ کر خوشبو لگا لے تو وہ خوشبو کو دھوئے گا اور اس پر دم واجب ہے۔

۶- جو شخص منٰی میں جمرات کی رمی یا وہاں رات گذارنا چھوڑ دے اس پر دم واجب ہے۔

۷- اگر جان بوجھ کر اپنا سر چھپا لے یا اس پر سایہ کرے تو اس پر دم واجب ہے۔

۸- جو شخص سلا ہوا کپڑا پہن لے یا چمڑے کا موزہ پہن لے حالاں کہ اس کے پاس چپل ہو تو وہ اسے اتار لے گا اور اس پر دم واجب ہے۔

یہ وہ سزائیں ہیں جو بہت سے ایسے لوگوں کو قوت سے قابو میں رکھتی ہیں جو اپنے اعضاء پر اور تصرفات پر اس کے بغیر قابو نہیں پاتے کہ انہیں اپنے افعال کی سزا سے دو چار ہونا پڑے، اور یہ کہ انہیں ہر ایسے عمل اور تصرف پر جو مناسک حج اور مشاعر حج کے دائرے سے خارج اور ان کی عظمت وتقدس سے ہم آہنگ نہ ہو وہ مالی تاوان ادا کرنا ہوگا جس سے ان کا کندھا بوجھل ہوگا اور یہ بات عقل میں نہیں آسکتی کہ خواہ کسی شخص کو مالی جرمانہ یا جانور ذبح کرنے کی استطاعت ہو پھر بھی وہ ان ممنوعات میں سے کسی فعل ممنوع کا ارتکاب کرے گا، بلکہ مسلمان تو اللہ تعالی کا تقرب حاصل کرنے اور شعائر اللہ کی تعظیم کے جذبے سے اور اپنی لغزشوں کی معافی اور گناہوں کی مغفرت کی امید پر احکام الٰہی کی تعمیل کرتا ہے، لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انسان کا نفس اگر اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرے تو وہ ایسی سزاؤں کا مستحق ہے جو اسے فعل ممنوع سے باز رکھنے والی ہو۔

میرا خیال یہ ہے کہ آنکھوں کی نظر، زبان کے کلمات، ہاتھ کے حرکات، قلب کے خطرات وخیالات اور شرم گاہ کی خواہشات میں یہ مکمل انضباط، اخلاق کی پاکیزگی کا سبب ہے، اس لئے کہ یہی اعضاء مکارم اخلاق کے نفوذ کرنے، اور اندر راسخ ہونے کے راستے بھی ہیں اور گھٹیا اخلاق کے نفوذ

کرنے کے بھی، لہٰذا اگر وہ وقتاً فوقتاً ان کو کنٹرول میں رکھنے کی تربیت حاصل کر لے تو اس کے اندر خیر کی پوشیدہ صلاحیتیں اجاگر ہوجائیں گی اور اس کے تمام اعمال وتصرفات سے نیکی کے چشمے پھوٹ پڑیں گے، ورنہ تو کتنی بلند خواہشات اور پاکیزہ رغبات رکھنے والے لوگ ہیں کہ اپنی شہوتوں پر کنٹرول اور اپنے جوارح پر حکمرانی کا جو لگام ان کے ہاتھوں میں تھا اس کے چھوٹ جانے کی وجہ سے پستی کے غار میں گر پڑے۔

سوم: حج دوسری عبادتوں کے ساتھ مل کر انسان کو جود وسخا اور داد ودہش کی صفت سے متصف کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ڈھیر سا مال خرچ کرتا ہے، اور اگر اس سے سہو ہوجائے یا حج کے واجبات میں سے کسی واجب کو چھوڑ دے یا ممنوعات احرام میں سے کسی شی کا ارتکاب کرے تو وہ بغیر کسی تنگ دلی کے اس کے دم اور فدیہ میں مال خرچ کرتا ہے اور وہ قربانی کا جانور ساتھ لے جاتا ہے، اور حج قران اور تمتع کی صورت میں وجوباً جانور ذبح کرتا ہے اور اگر حج افراد ہو تو نفلی طور پر قربانی کرتا ہے تاکہ قانع کو بھی کھلائے اور فقیر سائل کو بھی، دوست واحباب کو بھی اور سفر کے ساتھیوں کو بھی، بلکہ حج کے مستحب امور میں سے یہ ہے کہ حاجی زیادہ مقدار میں سفر کا توشہ ساتھ لے جائے تاکہ وہ اپنے حج کے ساتھیوں کو بھی دے سکے اور زیادہ خرچ کرنے کا عادی بنے، استاذ سعید حوی نے بیان کیا ہے:

> ''حج کے آداب میں سے یہ ہے کہ زادراہ میں توسع سے کام لے اور خوش دلی کے ساتھ خرچ کرے، بخل اور فضول خرچی دونوں سے بچے.. اور زیادہ خرچ کرنے میں اسراف نہیں ہے، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: آدمی کی شرافت میں سے یہ ہے کہ حلال زادسفر ساتھ رکھے.. اور ایک قول یہ ہے کہ حج مبرور کا مطلب پاکیزہ کلام کرنا اور کھانا کھلانا ہے۔''(۱)

چہارم: حج کے احکام انسان کے اخلاق کو سنوارنے میں حصہ لیتے ہیں، اس لئے کہ حج کا ایک حکم یہ ہے کہ حاجی کے اندر دوسروں کے مال واسباب کی طرف سے بے نیازی ہو، لوگوں کے ہاتھ میں

(۱) المستخلص فی تزکیۃ الانفس، لسعید حوی/۱۲۱۔

جو کچھ ہے اس کی طرف نہ جھانکے اور نہ لوگوں سے اس کا سوال کرے اور دل کو لوگوں کے کھانے پینے اور پہننے اور رہنے کی چیزوں کی طرف متوجہ نہ کرے، اس سلسلے میں بخاری نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یمن کے لوگ حج کرتے تھے اور زادِ راہ ساتھ نہیں لے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم توکل کرنے والے ہیں اور مکہ پہنچتے تو لوگوں سے سوال کرتے، تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وتزودوا فإن خير الزاد التقوى﴾ (البقرہ:۱۹۷)

(اور اپنے ساتھ سفرخرچ لے لیا کرو، سب سے بہتر توشہ اللہ تعالی کا ڈر ہے)

اور نیساپوری نے حضرت عطا بن رباح سے روایت کیا ہے:

''آدمی حج کے لئے نکلتا تھا اور دوسروں پر بوجھ بن جاتا تھا تو اللہ تعالی نے انہیں اس سے منع کیا۔''(۱)

اور اسی ممانعت سے قرض لے کر حج کرنے کا مسئلہ بھی متعلق ہے یعنی ایسے حضرات جو پاکیزہ جذبات کے حامل ہیں وہ حج وعمرہ کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے قرض لیتے ہیں اور سوال کر کے اپنے آپ کو ذلیل کرتے ہیں اور حج وعمرہ سے لوٹنے کے بعد شب وروز ذلت اور فکر وتردد میں مبتلا رہتے ہیں، اسی بنا پر ہم درج ذیل حدیث کی اخلاقی قدر وقیمت کا اندازہ کر سکتے ہیں، جسے امام شافعیؒ نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جس نے حج نہیں کیا ہے کہ کیا وہ حج کے لئے قرض لے سکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔''

پنجم: مرد مومن حج کے احکام سے دوسروں کے جذبات واحساسات اور ان کے حالات کا احترام اور قدر کرنے کا عادی بنتا ہے، جن میں سے چند احکام درج ذیل ہیں:

الف- احرام کے لئے، مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے، بیت اللہ کا طواف کرنے کے لئے

---

(۴) أسباب النزول للنيسابوري، ر۵۷۔

اور وقوف عرفہ کے لئے غسل کرنا، اور یہ سب مقامات لوگوں کو جمع ہونے کے ہیں، ان مواقع پر غسل کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ پسینہ اور بدبو سے دوسروں کو اذیت نہ پہنچے۔

ب-حجر اسود پر اس طرح مزاحمت نہ ہو کہ دوسروں کو اذیت پہنچے، اسی بنا پر عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں یہ روایت نقل کیا ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: تم سخت آدمی ہو، جب تم بیت اللہ کا طواف کرو گے تو کمزور کو اذیت پہنچاؤ گے، اگر حجر اسود کے پاس خلا دیکھو تو اس سے قریب ہو ورنہ تو تکبیر کہہ کے گذر جاؤ۔''(۱)

ج-جس شخص کو مرض کی وجہ سے اذیت لاحق ہو مثلاً سر یا جسم میں جوئیں ہو جائے تو اس کے لئے بال منڈانا جائز ہے، اس لئے کہ بخاری نے حضرت کعب بن عمرہؓ سے روایت کیا ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس حال میں دیکھا کہ اس قدر جوئیں ان کے سر میں ہو گئیں تھیں کہ منہ پر گری آتی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ان جوؤں سے تجھ کو تکلیف ہے؟ کعب نے کہا جی ہاں، آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنا سر منڈالیں، اس وقت آپ ﷺ حدیبیہ میں تھے۔''(۲)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

''اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ محرم کے لئے بال مونڈنا اور کاٹنا اور اسے تلف کرنا ممنوع ہے، ہاں بیماری کی حالت میں جائز ہے۔''(۳)

د-جس شخص کو طواف اور سعی میں پیدل چلنے میں مشقت لاحق ہو اس کے لئے سوار ہونے کی اجازت ہے، اسی سے متعلق وہ روایت ہے جسے بخاری نے حضرت ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے، وہ

(۱) المصنف لعبد الرزاق، کتاب الحج، باب الزحام علی الرکن ۳۶/۵، سنن البیہقی، کتاب الحج، باب الاستلام فی الزحام ۸۰/۵۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب قولہ تعالی: فمن کان منکم مریضا أو بہ أذی من رأسہ'' نمبر: ۱۸۱۴۔

(۳) تفسیر القرطبی (الجامع لأحکام القرآن) ۲۵۸/۱۔

فرماتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ میں بیمار ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: طوفی من وراء الناس وأنت راکبۃ (لوگوں کے پیچھے پیچھے سوار ہوکر طواف کرلو)۔''(۱)

ھ- کمزور بچوں اور عورتوں بلکہ مردوں کے لئے بھی اس کی اجازت ہے کہ وہ مزدلفہ میں رات گذارنے میں اختصار سے کام لیں اور بھیڑ کے اندیشہ سے فجر سے قبل (منی آکر) جمرۂ عقبہ کی رمی کرلیں، اسی سلسلے میں صحیحین کی وہ روایت ہے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں:

''ہم لوگ مزدلفہ میں اترے تو حضرت سودہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ لوگوں کے ازدحام سے قبل وہاں سے چلیں اور وہ سست رفتار عورت تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس کی اجازت دے دی۔''(۲)

نووی فرماتے ہیں:

''ہمارے نزدیک سنت یہ ہے کہ حاجی مزدلفہ میں طلوع فجر تک ٹھہرے، کمزور اور ضعیف لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں، ان کے لئے فجر سے قبل (مزدلفہ سے منی کی طرف) چلنا مستحب ہے۔''(۳)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، حضرت عطا کے طریق سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

''مجھے حضرت ابن عباسؓ نے یہ خبر دی کہ مزدلفہ کی رات میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا: ہمارے ضعیفوں اور عورتوں کو لے کر جاؤ، انہیں چاہئے کہ وہ منی میں صبح کی

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب طواف النساء مع الرجال، نمبر:۱۶۱۹۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب من قدم ضعفۃ أھلہ بلیل، نمبر:۱۶۸۱، اللؤلؤ والمرجان، فیما اتفق علیہ الشیخان، نمبر:۸۱۴۔

(۳) المجموع للنووی ۸/ ۱۵۰، نیز اسی مفہوم کے لئے دیکھئے: علامہ سرخسی کی المبسوط ۴/ ۶۳، حاشیۃ رد المحتار لابن عابدین ۲/ ۵۱۱-۵۱۴۔

نماز پڑھیں اور لوگوں کے ازدحام سے قبل جمرہ عقبہ کی رمی کریں، حضرت عطا بوڑھے اور ضعیف ہونے کے بعد ایسا ہی کرتے تھے۔"(۱)

و- ارباب مال واصحاب تجارت کے مصالح کی رعایت، کہ وہ اپنے مالوں کی براہ راست دیکھ ریکھ کریں، اسی سلسلے میں وہ روایت ہے جسے امام مالکؒ وغیرہ نے حضرت عبد اللہ بن ابی بکر بن حزمؒ سے روایت کیا ہے کہ ابو البداح نے انہیں اپنے والد کی روایت سے یہ خبر دی:

"رسول اللہ ﷺ نے اونٹ چرانے والوں کو یہ رخصت دی کہ وہ منی سے باہر رات گذاریں، قربانی کے دن رمی کریں پھر اگلے دن رمی کریں اور اگلے دن کے بعد دو دن، پھر کوچ کرنے کے دن رمی کریں۔"(۲)

علماء نے ان ہی چرواہوں پر ہر اس شخص کو قیاس کیا ہے جس کے پاس مال یا کوئی ایسی چیز ہو جس کے بارے میں اسے یہ اندیشہ ہو کہ کوئی بڑی اور ضروری مصلحت فوت ہو جائے گی تو وہ اپنے ضروری مصالح کی رعایت کی خاطر منی میں رات گذارنا چھوڑ سکتا ہے، یعنی اگر منی میں رات گذارنے سے کوئی بڑا نقصان لاحق ہو جائے تو وہ اسے چھوڑ سکتا ہے، یہاں تک کہ شیخ ساعاتی اپنی مسند کی شرح میں فرماتے ہیں:

"منی میں رات نہ گذارنے کے سلسلے میں عذر کو صرف چرواہوں اور پانی پلانے والوں تک محدود رکھنا ایک قسم کا جمود ہے، بلکہ ان کی طرح دوسرے اہل حاجت کے لئے بھی یہی حکم ہوگا، امام شافعی نے جزم کے ساتھ کہا ہے کہ اس حکم میں اس شخص کو بھی لاحق کیا جائے گا جس کے پاس مال ہو اور وہ اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ کرتا ہو، یا کسی اہم امر کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہو، یا کوئی ایسا مریض ہو جس کی پانی پلانے والے دیکھ

(۱) فتح الباری ۳/ ۵۴۸۔

(۲) الموطا، کتاب الحج، باب الرخصۃ فی رمی الجمار ۱/ ۴۰۸، سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب فی رمی الجمار، النسائی، کتاب باب رمی الرعاۃ۔

رکھ کر تے ہوں۔"(۱)

یہ احکام جن کے دلائل پیش کرنے میں نے تفصیل سے کام لیا ہے اگر آج مسلمان ان کی رعایت کریں تو ان کا حج مشقت اور پریشانی سے نکل جائے گا جو طواف کے وقت لوگوں کو لاحق ہوتی ہے، خصوصاً حجر اسود کا بوسہ لینے میں، اور رمی جمار کے وقت جس مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لئے کہ اسی بھیڑ کی وجہ سے وہاں بہت سے لوگوں کی جان چلی جاتی ہے، جس کی وجہ سے آج کے حالات میں رمی کے وقت جس میں تیس لاکھ سے زائد افراد حج کے لئے جمع ہوتے ہیں، اس فتوی پر نئے سرے سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا یہ سب لوگ صرف سات گھنٹوں میں رمی کر سکتے ہیں، جیسا کہ اس سلسلہ میں یہاں وہاں سے بعض فتاوی صادر ہو رہے ہیں جس کی رو سے صرف سات گھنٹوں ہی میں رمی کا انجام پانا مطلوب معلوم ہوتا ہے۔(۲)

یہ ان محترم نفوس کی عصمت اور حرمت کو واجب کرتا ہے کہ انتہائی حد تک ان کی طاقت کو ختم کرنے یا اپنے مسلمان بھائیوں کے جوتوں کے نیچے کچل کر جان دینے سے بچایا جائے، یہ سب شکل کی حفاظت کی خاطر ہے اور اس روشن شریعت کا جو مضمون ہے جس میں بہت سے مسائل میں حکم شرعی جواز سے حرمت کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، جب کہ اباحت اور جواز، مشقت اورحرج، اور جان جانے کا سبب بن جائے، اس مضمون سے صرف نظر کیا گیا ہے، پس اگر کسی حاجی کو یہ علم ہو کہ اگر وہ رمی جمار کے لئے بھیڑ میں داخل ہوجائے تو اپنے جسم کی کمزوری اور سخت بھیڑ کی وجہ سے مرجائے گا تو ایسا کرنے پر وہ گنہ گار ہوگا اور اس پر واجب ہوگا کہ وہ رات کے وسیع اوقات میں

(۱) اس سلسلے میں دیکھئے: الفتح الربانی ۱۲/ ۲۲۳ - ۲۲۴، سبل السلام للصنعانی ۲/ ۵۴۷، نیل الاوطار للشوکانی ۵/ ۸۰، زاد المعاد لابن القیم ۲/ ۲۹۰۔

(۲) دیکھئے: رمی الجمرات وما یتعلق بہ من الاحکام مولفہ ڈاکٹر شرف بن علی الشریف، فتاوی فی الحج، مولفہ شیخ عبد العزیز بن باز، شیخ صالح ابن عثیمین، شیخ عبد بن جبرین، میرا خیال ہے کہ اس موضوع پر مزید علمی بحث کی ضرورت ہے کہ جانوں کو مشقت یا قتل سے بچانے کے موضوع پر مزید غور وخوض اور تحقیق ہو۔

یا ظہر سے قبل رمی کرے یا دوسرے دن کے لئے اسے مؤخر کردے یا کسی شخص کو اپنا نائب بنادے جو اس کی طرف سے رمی کرلے۔

☆ حج کے احکام ہمیں رحم کرنے کے اخلاق سکھاتے ہیں اور صرف انسانوں کے ساتھ نہیں جیسا کہ گذرا بلکہ حیوانوں کے ساتھ بھی، اس لئے کہ حج کی قربانی کے ذبح کرنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا حکم وارد ہے، دارمی نے حضرت شداد بن اوس سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو باتیں محفوظ کی ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ نے ہر چیز میں احسان کو فرض کیا ہے، پس جب تم قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو اور جب ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو، اور ذبح کرنے والا اپنی چھری کو تیز کرلے اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے۔''(۱)

ششم: حج کے بعض احکام وہ ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ لوگوں کو مکارم اخلاق اور عزت کے اخلاق پر آمادہ کیا جائے، اسی سلسلے کی وہ حدیث ہے جسے بخاری نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ طواف کرتے ہوئے ایک ایسے آدمی کے پاس سے گذرے جس نے اپنا ہاتھ دوسرے آدمی سے باندھ لیا تھا، تسمے سے یا دھاگے سے یا کسی اور چیز سے، نبی کریم ﷺ نے اس کو اپنے ہاتھ سے کاٹ دیا پھر فرمایا: ہاتھ پکڑ کر اس کو لے چلو۔''(۲)

یہ حدیث اس حقیقت کی وضاحت کررہی ہے کہ کس حد تک رسول اللہ ﷺ نے محسوس کیا کہ انسان کا اپنے ہاتھ کو باندھنا اور اس دھاگے کے ذریعہ اس کو کھینچ کر لے جانے میں اس کی انسانیت اور آدمیت کی توہین ہے، اور اس کی شرافت وکرامت کو گھٹانا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس منکر کو فوراً

(۱) سنن الدارمی، کتاب الأضاحی، باب فی حسن الذبیحۃ/۱۹۷۰۔
(۲) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب الکلام فی الطواف نمبر: ۱۶۲۰۔

اپنے ہاتھ سے بدل دیا، پھر انہیں حکم دیا کہ وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنے پیچھے لے چلیں، اس طرح نہیں جس طرح جانوروں اور چوپایوں کو کھینچا جاتا ہے، یہ حدیث ایک واضح طریقہ کار کی نمائندگی کررہی ہے کہ تکریم انسانیت کے خلاف جو بھی صورت اختیار کی جائے جس سے انسان کی تذلیل وتوہین ہوتی ہو اور اس کے ساتھ حقارت کا سلوک کیا جاتا ہو اسے مسترد کیا جائے گا، یہاں تک کہ اگر وہ کسی حرم میں مقیم ہوتو اس کی اصلاح اور اس کی کجی کو درست کرنے کے لئے اسے سزادی جاسکتی ہے۔

ہفتم: حج کی تکالیف اور اس کا طویل سفر اور عادات کی تبدیلی اور سفر خواہ بری ہو یا بحری یا فضائی وہ عذاب کا ایک ٹکڑا ہے اور یہ اس لئے کہ بخاری کی روایت حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''سفر کیا ہے گویا ایک قسم کا عذاب ہے، آدمی کو کھانا پینا، سونا (آرام کے ساتھ) نہیں ملتا، اس لئے جب کوئی اپنا کام پورا کر چکے تو (سفر سے) جلدی اپنے گھر والوں میں لوٹ آئے۔''

یہ سفر نفس کی صلاحیتوں اور قوت برداشت کے سلسلے میں اعتماد بحال کرتا ہے، تاکہ مسلمان بڑے اور اہم کاموں کے لئے کھڑا ہوسکے، اسلام کی اس امانت کو ادا کرنے کے لئے جو اس کے کاندھوں پر ہے اور لوگوں پر حق کی شہادت دینے کی سعی کرنے کے لئے تاکہ وہ زندگی کے تمام پہلوؤں میں اس مہارت اور کمال تک پہنچ سکے جو دنیا وآخرت اسے نفع پہنچانے والا ہے۔

عبادات سے روح اور اخلاق پر مرتب ہونے والے یہ تربیتی اثرات ہیں، اور جہاں تک عقل اور جسم پر اس کے اثرات کا تعلق ہے تو ان شاء اللہ اس کتاب کے دوسرے حصہ میں ہم اس موضوع سے بحث کریں گے۔